اس ناول میں شامل ہے ایڈوینچر ٹائمز اسکول میگزین کا
بالکل مفت
محمود، فاروق، فرزانہ
اورانسپکٹر جمشید
سیریز
738
Atlantis
Publications
زہریلا ٹکراؤ
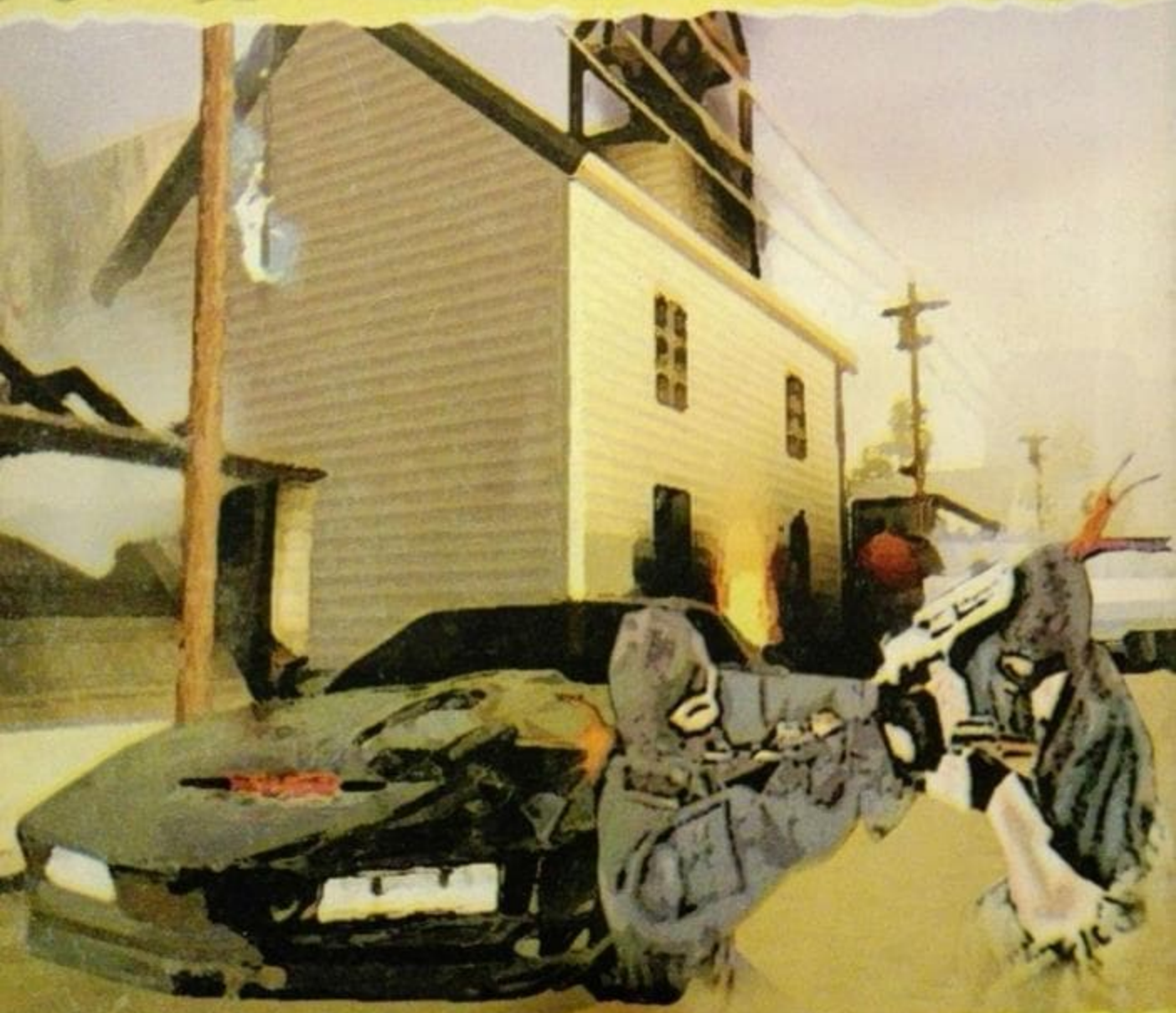
بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

زہریلا ٹکراؤ

اشتیاق احمد

تفریح بھی، تربیت بھی

اٹلانٹس پبلیکیشنز صحت مند، اصلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب بینی کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔

ناول	زہریلا ٹکراؤ
نمبر	738
پبلشر	فاروق احمد
قیمت	32 روپے

ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و کتابت اور رابطے کیلئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2578273 - 2581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

ایک حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ! کون سا کام زیادہ اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا، کہ انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔

☆☆☆

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔

☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔

☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں رکھا۔

☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

السلام علیکم!

لیجیے! زہریلا ٹکراؤ حاضر ہے۔ یہ ذرا ٹکردار ناول ہے... آج کا دور ہے بھی ٹکراؤ کا... جب تک کسی سے ٹکراؤ نہ ہو، مزہ ہی نہیں آتا... خاص طور پر آپ کے محبوب کردار جب تک زوردار انداز میں کسی سے نہ ٹکرائیں تو آپ بُرے بُرے منہ بنانے لگتے ہیں... اور کہنے لگتے ہیں... یہ آپ نے ناول لکھا ہے، اس سے تو بہتر تھا، نہ لکھتے ... کہنے کو یہ بات کہی جاسکتی ہے، اس کا کہنا آسان ہے... لیکن جب میں ناول نہیں لکھوں گا اور آپ یکم تاریخ کو سٹالوں پر خریدنے کے لیے جائیں گے تو اس صورت میں آپ اور زیادہ بُرے بُرے منہ بنائیں گے اور یہ کہتے نظر آئیں گے... اس سے تو بہتر تھا، ہم اس شخص کو کچھ نہ کہتے... جیسے تیسے ناول لکھ تو رہا تھا...

کہنے کا مطلب یہ کہ ناول آپ کو مل رہے ہیں، یہی بہت ہے... کوشش تو کی جاتی ہے... ناول بہتر سے بہتر ہو، اس میں خوب سسپنس ہو... آپ کو بس پسند آجائے... لیکن انسان اپنی کوشش میں ناکام بھی تو ہوجاتا ہے نا... اور خوب دھڑے سے ناکام ہوجاتا ہے... اور یہ کوئی صرف میرے ساتھ ہی نہیں... بڑے بڑے لوگ ناکامی سے دو چار ہوجاتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں... میں تو ہوں کس کھیت کی مولی...

لیجیے! زہریلا ٹکراؤ کے ٹکراؤ سے شروع ہونے والی دو باتیں مولی تک آگئی۔ مجھے ڈر ہے... اگر میں نے ان دو باتیں کو جاری رکھا تو کہیں یہ آپ کو اپنا سر کسی چیز سے ٹکرانے پر مجبور نہ کردیں... اس وقت آپ کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا... میری دعا ہے... آپ کا سر سلامت رہے، تاکہ آپ یہ ناول پڑھ سکیں......

آپ نے دیکھا... سر سلامت رہنے کا کتنا فائدہ ہے... آدمی کم از کم ناول پڑھنے کے قابل تو رہ ہی جاتا ہے...

یہ دو باتیں سخت گرمی میں لکھ رہا ہوں... دانتوں پسینہ آرہا ہے۔ پہلے یہ صرف محاورۃً آتا تھا... اب سچ مچ دانتوں پسینہ آنے لگا ہے... اس سے پہلے کہ دانتوں کے علاوہ جسم کے کچھ اور حصوں کو پسینہ آجائے... میں دو باتیں کا باب بند کرتا ہوں اور ناول شروع کرنے کی دعوت دیتا ہوں... اب آپ فوراً ہی اس کی گرفت میں آنے والے ہیں۔ جی ہاں... تجربہ کرلیں۔

اٹلانٹس پبلیکیشنز کے تحت انسپکٹر جمشید سیریز کا یہ میرا 52واں ناول ہے...... دیکھتے ہی دیکھتے ادارے کے 52 ناول شائع ہوگئے اور میں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا...... میں سوچ بیٹھا تھا...... بس اب میرے ناولوں کا دور ختم ہوگیا...... ناول اب ماضی کی باتیں ہوکر رہ جائیں گے...... لیکن اللہ بھلا کرے اٹلانٹس پبلیکیشنز والوں کا ...... بہت اچھے لوگ ہیں...... کہ مجھے تسلی دی اور کہنے لگے...... ایک کوشش ہمیں بھی کرنے دیں...... لگتا ہے کوشش کامیابی کی طرف گامزن ہے...... میرے قارئین اسے ناکام نہیں ہونے دیں گے......

لیکن ہاں اجازت لینے سے پہلے ایک بات اور...... کچھ عرصے پہلے میں نے کسی ناول کی دو باتیں میں لکھا تھا کہ فاروق احمد صاحب میرے ناولوں کی اشاعت میں باقاعدگی پیدا نہ کرپائے تھے۔ لیکن آج جب ناولوں کی اشاعت میں انتہائی باقاعدگی پیدا ہوگئی ہے تو مجھے احساس ہوا ہے کہ غلطی ان کی نہ تھی بلکہ حالات ایسے پیدا کردیئے گئے تھے...... ایسی صورتحال اور مشکلات پیدا کردی گئی تھیں کہ فاروق احمد صاحب کیلئے ناولوں کی اشاعت نقصان کا سودا بن کر رہ جائے اور وہ تنگ آکر نقصان اُٹھا اُٹھا کر ہمت ہار بیٹھیں...... اور ہوا بھی یہی کہ ان مشکلات اور رُکاوٹوں کے سبب فاروق صاحب ناول ہر ماہ مقررہ وقت پر شائع نہ کرپائے اور میرے ذہن بلکہ قارئین کے ذہن میں بھی یہ تاثر پیدا ہوا کہ فاروق احمد نہ تو ناولوں کی اشاعت میں باقاعدگی پیدا کرسکے بلکہ سرے سے کوئی وقت مقرر ہی نہ کرسکے۔ اور پھر یہ ہوا کہ یہ تاثر کامیاب ہوگیا...... لیکن قدرت کی بھی اپنی ایک چال

ہے...... پروردگار کا اپنا ایک نظام ہے اور یہ نظام ان تمام مشکلات اور ان تمام رکاوٹوں پر مسکراتا رہتا ہے اور پھر ہوتا وہی ہے جو اس کو منظور ہوتا ہے...... وہ ان مشکلات اور رکاوٹوں کے درمیان سے وسیلہ پیدا کر دیتا ہے...... اور یہی اس نے فاروق احمد کیلئے کیا...... کہ فاروق احمد صاحب کی جانب سے ناولوں کی اشاعت پانچ گنا زیادہ تعداد اور مثالی باقاعدگی کے ساتھ شروع ہوگئی...... اور تمام تاثر غلط ثابت ہو گئے اور اب فاروق احمد ایک ہی نہیں بلکہ ہر ماہ نو دس ناول شائع کر رہے ہیں...... یہی قدرت کے کرشمے ہیں اور یہی پروردگار کی شان اور عظمت کا مظہر ہے۔ ثابت ہوا کہ ناولوں کی اشاعت میں باقاعدگی دانستہ اور لاپروائی کا مظہر نہ تھی بلکہ سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ تھی۔ ایسا منصوبہ جس کا مقصد ہم سب کو اٹلانٹس پبلیکیشنز سے بدظن کرنا تھا...... منصوبہ کس کا تھا اس کے بارے میں خاموش رہنا زیادہ مناسب ہے...... یہی کافی ہے کہ منصوبہ ناکام ہو گیا......

کہنا ہے تو بس یہ کہ میرے پرانے ادارے اشتیاق پبلیکیشنز کا اگر کوئی تسلسل ہے تو وہ صرف اور صرف اٹلانٹس پبلیکیشنز ہے۔ وہی باقاعدگی، وہی چٹپٹی اشاعت، آئندہ ناولوں کی جھلکیوں کا اور مختلف اشتہارات کا وہی دلچسپ انداز...... سب کچھ وہی ہے جیسا اشتیاق پبلیکیشنز کے زمانے میں تھا...... انسپکٹر جمشید سیریز کے ناولوں کا اصل انداز صرف اٹلانٹس پبلیکیشنز کے ناولوں میں ہے اور اٹلانٹس پبلیکیشنز سے شائع شدہ ناول ہی آنے والے وقتوں میں جمشید سیریز کے اصل ناول سمجھے جائیں گے...... انشاء اللہ اور میری دعا ہے کہ یہ تسلسل اور انداز ہمیشہ قائم رہے...... آمین!

کار چور

جونہی میاں صاحب پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئے، تھانے دار کا رنگ اڑ گیا۔ اس کے ماتحت ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ایک چور کو پکڑ کر لائے تھے... وہ شہر کی بھری پری مارکیٹ سے ایک کار چراتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا... تھانے دار نے جب اس سے چند سوالات کیے تو وہ بڑے فخر کے انداز میں بول اٹھا:

''تھانے دار صاحب... میں بس تھوڑی دیر تک پولیس اسٹیشن میں ہوں... ابھی مجھے چھڑانے والے آئیں گے اور آپ مجھے چھوڑتے نظر آئیں گے۔''

''اچھا! یہ بات ہے... تو پھر اس بات کو لکھ لو... تم نہیں چھوٹو گے... تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے... اور وہ بھی کار چوری کرتے ہوئے... کار کوئی چھوٹی سی چیز نہیں ہوتی... اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ تم نے یہ کام پہلی بار نہیں کیا... پہلے بھی تم نہ جانے کتنی کاریں چرا چکے ہو... ہم تو تم سے وہ سب بھی اگلوائیں گے... اور معلوم کریں گے... تم نے وہ کاریں کہاں فروخت کی ہیں... وہ لوگ کون ہیں جو چوری کی کاریں خریدتے ہیں۔''

''تھانے دار صاحب! آپ کے پروگرام تو کافی لمبے لگتے ہیں... لیکن آپ کو اس وقت ضرور بہت افسوس ہوگا... جب آپ کے یہ پروگرام یک دم دم توڑ دیں گے۔''

''حسن! اسے لے جاؤ... بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا ہے... ظاہر ہے... کوئی تو ضرور آنے والا ہے... لہٰذا اس کے آنے سے پہلے پہلے ذرا اس کی تھوڑی مرمت بھی کر دو... دیکھو، کوئی نشان نظر نہ آئے... بہت احتیاط سے کام لینا... ویسے تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں... یہ بھی کیا یاد رکھے گا... کس رئیس سے ملاقات ہوئی تھی۔'' یہ کہتے ہوئے تھانے دار مسکرایا اور وہ پرچہ درج کرنے لگا:

''کیا کہا آپ نے... آپ مجھے چھوڑیں گے نہیں... تھانے دار صاحب! آپ بہت بڑی بھول میں ہیں... بہت بڑی غلط فہمی میں ہیں...''

''بچے! میں تمہارے خلاف رپورٹ درج کر رہا ہوں... ابھی کار کے مالک کو بلا کر کام پکا کر رہا ہوں... فکر نہ کرو... چھوٹو گے نہیں۔''

''اچھی بات ہے... آپ بھی یہیں اور میں بھی یہیں۔'' چور ہنسا۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں... تم یہیں رہو گے... میں تو پہلے ہی سے یہاں ہوں۔''

تھانے دار نے اسے حوالات میں بھیج دیا... وہاں اس کی شایانِ شان طریقے سے مرمت ہونے لگی... تھانے دار اس کی مرمت ہرگز نہ کراتا، اگر وہ اس طرح کی باتیں نہ کرتا... اس کے چہرے پر پریشانی اور ندامت ہوتی تو وہ ضرور اس سے اچھا سلوک کرتا... کیونکہ وہ ایک ذمے دار اور فرض شناس پولیس آفیسر تھا... بلاوجہ ضدی اور اکھڑ نہیں تھا...

جلد ہی وہاں کار کا مالک بھی آ گیا۔ تھانے دار نے اس کا بیان بھی لیا... دراصل کار کے مالک ہی نے اسے کار چوری کرتے پکڑا تھا۔ وہ اپنی چابی سے کار کا دروازہ کھول چکا تھا اور اندر بیٹھ چکا تھا کہ وہ شوروم سے باہر نکل آیا... اس کے ساتھ ہی کار کا الارم بج اٹھا اور پرائیوٹ سیکورٹی والے چند ہی لمحوں میں وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے چور کو قابو میں کر لیا...... لہٰذا چور کو فوراً ہی گرفتار کر کے تھانے بھیج دیا گیا۔ کار کے مالک کا نام فاروق خان تھا۔ تھانے دار نے کار اس کے حوالے کی اور اسے رخصت کر دیا... اب اسے انتظار تھا... چور کے حمایتی کا... وہ سوچ رہا تھا... دیکھیں کون آتا ہے۔ چور دعوے تو بہت بڑھ چڑھ کر کر رہا تھا...

آخر ایک بہت بڑی اور قیمتی کار تھانے اندر داخل ہوئی... کار سے اترنے والے شخص کو دیکھ کر تھانے دار دھک سے رہ گیا۔ اس کا رنگ اڑ گیا... اسے چور کے الفاظ یاد آنے لگے... اس کے دماغ میں وہ جملے بار بار گونجنے لگے... فوراً ہی اس نے اپنے سر کو جھٹکا... وہ آنے والے شخص سر باٹلی والا تھے... ان کا تو اعلیٰ افسران کو ایک فون کافی تھا... ملک کی مشہور و معروف شخصیت تھے۔ بڑے بڑے سیاست دان ان کے گھر پر حاضری دیتے تھے... ملک میں عام خیال یہ تھا کہ وہ زبردست قسم کے جوڑ توڑ والے آدمی تھے... حکومت کو اگر دو دوست سیاسی جماعتوں میں مخالفت کرانا ہوتی تو وہ میاں باٹلی والا کی خدمات حاصل کرتی تھی اور صرف ایک آدھ ماہ بعد دونوں سیاسی جماعتیں ایک دوسرے سے لڑتی نظر آتی تھیں... الیکشن کے دنوں میں بھی سیاسی جماعتیں اس سے خوب کام لیتی تھیں... اس قسم کے کاموں کا وہ بہت بڑا معاوضہ وصول کیا کرتا تھا۔ غرض یہ کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا... بڑے سے

بڑے افسروں پر دباؤ ڈال سکتا تھا... ایک تھانے دار کی تو حیثیت کیا تھی۔ تھانے دار کو حیرت اس بات پر تھی کہ اتنے معمولی سے کام کے لیے اتنے بڑے آدمی کو تھانے میں آنے کی کیا ضرورت تھی... دوسری طرف اس کے لیے الجھن یہ تھی کہ وہ چور کو چیلنج کر چکا تھا... لہٰذا اب وہ شدید الجھن میں تھا۔

میاں باٹلی والا کار سے اتر کر تیر کی طرح اس کی طرف بڑھا...

اس نے نہ علیک سلیک کی... نہ کوئی جملہ کہا... بس آ کر زوردار انداز میں کرسی کھینچی اور اس پر دھم سے بیٹھ گیا۔ چند لمحے تک اپنا سانس درست کرتا رہا۔ پھر اس کے منہ سے نکلا:

"شادے کو یہیں لایا گیا ہے نا۔"

"جی ہاں! مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ آپ کا آدمی ہے... نہ اس نے بتایا... بتا دیتا تو میں ایک لمحے کے لیے بھی اسے حوالات میں بند نہ کرتا۔ آپ نے کیوں زحمت کی... بس مجھے فون کر دیتے..."

"پاگل ہو تم۔" وہ چنگھاڑا۔

"جی... کیا فرمایا آپ نے۔" تھانے دار کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"میں نے کہا ہے، تم پاگل ہو۔"

"آپ نے درست فرمایا... آپ چلیں... میں اسے ابھی فارغ کر دیتا ہوں۔"

"ایسے نہیں۔" باٹلی والا مسکرایا... اس کی مسکراہٹ بہت خوفناک تھی۔

"غور سے سنو! میں اس کی واپسی ضرور چاہتا ہوں... لیکن زندہ

حالت میں نہیں..."

"جی... کیا مطلب؟" تھانے دار بہت زور سے اچھلا۔

"آپ کا نام؟"

"جی میں کالے خان ہوں۔"

"ہاں کالے خان... آپ اسے میرے پاس لائیں گے... لیکن زندہ حالت میں نہیں، مردہ حالت میں۔"

"میں... میں اب بھی نہیں سمجھا سر۔"

"آج رات تم اس کا کام تمام کر دو... اور صبح لاش کو جیپ میں ڈال کر میری کوٹھی پر آ جاؤ... تمہیں اس کام کا معاوضہ مل جائے گا... حوالات میں اس کی خودکشی کی خبر میں چھپوا دوں گا... ضرورت سمجھو تو اس کا پوسٹ مارٹم بھی کرا لو... مجھے کوئی اعتراض نہیں... پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر کا نام فون پر بتا دو... میں اسے فون کر دوں گا... وہ خودکشی کی رپورٹ لکھ دے گا۔"

"آپ... آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔"

"تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے... یاد رکھو... اگر تم یہ کام نہیں کرو گے تو ملازمت سے نکال دیے جاؤ گے... یہاں تمہاری جگہ کوئی اور آ جائے گا اور میں یہ کام اس سے لے لوں گا... کیا سمجھے۔"

"آپ فکر نہ کریں... کل آپ کی ملاقات اس کی لاش سے ہو گی۔" کالے خان نے کہا۔

"خوب! تم سمجھ دار آدمی ہو... ترقی کرو گے... ڈی ایس پی کا عہدہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ سر۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور اس سے ہاتھ ملائے بغیر جانے کے
لیے مڑ گیا... کالے خان حیرت زدہ سا اسے دیکھتا رہا۔ وہ تھوڑی دیر تک
ساکت بیٹھا رہا... اس نے اس قسم کے کام کبھی نہیں کیے تھے... وہ تو ایک ایمان
دار پولیس آفیسر تھا... کسی کے کہنے پر کسی کو کیسے جان سے مار دیتا... دوسری
طرف اس کی ملازمت کا سوال تھا... لہٰذا وہ اس وقت ایسی زبردست الجھن
محسوس کر رہا تھا کہ کیا پہلے کبھی محسوس کی ہو گی۔ آخر کچھ سوچ کر وہ حوالات میں
داخل ہوا... اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر شادا طنزیہ انداز میں ہنسا... پھر جونہی
وہ حوالات کے کمرے میں داخل ہوا... شادا بولا:

’’کیوں تھانے دار صاحب! میں نے کیا کہا تھا۔‘‘

’’تم نے ٹھیک کہا تھا... لیکن بات وہ نہیں ہے جو تم کہہ رہے ہو۔‘‘

’’تب پھر بات کیا ہے... کیا سر باٹلی والا کی طرف سے آپ کو فون
نہیں ملا۔‘‘

’’نہیں ملا۔‘‘ اس نے کہا۔

’’کیا کہا... فون نہیں ملا، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔‘‘

’’وہ خود یہاں آئے تھے... تھانے میں۔‘‘ کالے خان نے سرسراتی
آواز میں کہا۔

’’کک... کیا کہا... نہیں... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔‘‘ اچانک شادے
کا رنگ اڑ گیا... وہ کپکپاتی آواز میں بولا۔

’’نہیں... نہیں... یہ نہیں ہو سکتا۔‘‘

اس کی آنکھوں میں دنیا جہان کا خوف سما گیا... جسم کانپنے لگا۔

اب تو کالے خان بہت حیران ہوا... شادے کا خوف اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

’’کیا ہوا بھئی... خیر تو ہے۔‘‘

’’آپ... آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں... باٹلی والا تھانے میں
کیوں آنے لگے... انہیں بھلا کیا ضرورت تھی آنے کی... کہ دیکھیے... یہ
جھوٹ ہے۔‘‘

’’نہیں شادے... یہ جھوٹ نہیں ہے۔‘‘

’’کیا... کیا واقعی۔‘‘

’’ہاں! یہ سو فیصد درست بات ہے۔‘‘

وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا شاید اس کی ٹانگوں میں کھڑے رہنے کی
سکت نہیں رہ گئی تھی...

’’کچھ مجھے بھی تو بتاؤ... بات کیا ہوئی... تم یکایک اس قدر خوف
زدہ کیوں ہو گئے۔‘‘

’’اگر باٹلی والا یہاں آئے تھے... تب انہوں نے میری موت کا حکم
دیا ہے... کیوں تھانے دار صاحب یہی بات ہے نا... اور یہ بات میں اتنے
یقین سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے اس کے ساتھ کام کرتے ایک مدت گزر
گئی... جب پولیس کے ہاتھوں اپنے کسی کارکن کو یا کسی مخالف کو مروانا ہوتا ہے تو
اس وقت وہ تھانے میں خود آتا ہے... یہ اس کی خاص عادت ہے۔‘‘

’’پھر... اب تم کیا کہتے ہو۔‘‘

’’جس شخص کو پھانسی کا حکم دے دیا جائے... وہ کیا کہہ سکتا ہے... اس
کے لیے تو سب کچھ ختم ہو گیا... تاہم میری ایک درخواست ہے...‘‘

’’اور وہ کیا...‘‘ تھانے دار نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

’’میں بہت برا ہوں... میں نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا... میرے

پاس جو مال ہے... وہ سب بھی گناہ کی کمائی کا ہے... اس مال کو میں کسی نیک کام میں لگا بھی دوں تو مجھے کون سا ثواب مل جائے گا... گناہ گار کا گناہ گار رہوں گا... بس آپ اتنا کر دیں... کہ میرے بیوی بچوں کو کسی نیک کام میں لگا دیں... لیکن آپ بھلا ایسا کیسے کر سکیں گے... ایک بدنصیب مجرم کے لیے آپ کیوں کچھ کرنے لگے۔"

"ایسی بات نہیں... میں تمہارے بیوی بچوں کے لیے بہت کچھ کروں گا... جو مجھ سے ہو سکا کروں گا... تم صرف مجھے یہ بتا دو... باٹلی والا تمہیں کیوں ہلاک کرنا چاہتا ہے۔"

"میں نہیں جانتا... لیکن وہ ایسا پہلے اکثر کرتا رہتا ہے۔"

"اس کے بعد کیا ہوتا ہے..."

"وہ اس لاش سے لاتعلقی ظاہر کر دیتا ہے... تھانے دار سے کہہ دیتا ہے... میں اس شخص کو نہیں جانتا اور نہ میں نے تمہیں اس کے بارے میں کوئی ہدایات دی ہیں۔"

"ہوں اچھا خیر... مجھے سوچنے دو... میں اب رات کو آؤں گا..." "

م... مجھے پھانسی دینے کے لیے۔"

"ابھی میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا۔" کالے خان نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اگر آپ مجھے پھانسی نہیں دیں گے تو وہ آپ کو نہیں چھوڑے گا۔"

"میں ہر پہلو سے معاملے کا جائزہ لے رہا ہوں... میں اب چلتا ہوں... رات کے وقت آؤں گا اور تمہیں بتاؤں گا... میں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے تھانے دار کالے خان حوالات سے باہر نکل گیا... یہاں تک کہ وہ شادے کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

پھر رات کے دو بجے حوالات کا دروازہ کھلا:

☆☆☆☆☆

تین باتیں

رات کے دو بجے حوالات کا دروازہ کھلا اور تھانے دار کالے خان اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ شادے نے اس پر ایک نظر ڈالی اور کانپ گیا... تھانے دار کے ماتحت اس کے پیچھے کچھ دور کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں:

''کیا حال ہے شادے میاں۔'' کالے خان کے منہ سے نکلا۔

''اس شخص کا حال پوچھتے ہیں... جس کی پھانسی کا حکم دے دیا گیا ہے۔''

''ہوں... دیکھو شادے... میں نے تمہارے لیے ایک بہت آسان موت تجویز کی ہے... تم جانتے ہو... تمہارے ساتھ اس وقت میں بھی بڑی طرح پھنس چکا ہوں... میاں باٹلی والا ہمارے ملک کا خوفناک ترین آدمی ہے... اس کے مقابلے میں آنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا... یعنی ملک کا بڑے سے بڑا آدمی، یہاں تک کہ ہمارے ملک کا صدر تک اس سے محتاط رہتا ہے... ان حالات میں میری اور تمہاری کیا حیثیت ہے... تاہم ایک اور صرف ایک بات ایسی ہے... کہ تم بچ سکتے ہو۔''

''کیا مطلب... بھلا ایسی کون سی ترکیب ہو سکتی ہے...''

''تم مجھے صرف یہ بتا دو... کہ میاں باٹلی والا تمہیں جان سے کیوں مروا ڈالنا چاہتا ہے... تم نے آخر ایسی کیا غلطی کی ہے... دیکھو نا... تم ایک کار چور ہو... تم نے ایک کار چرائی، لیکن موقع پر ہی پکڑے گئے۔ پولیس نے تمہیں یہاں پہنچا دیا... اب باٹلی والا یہاں آ کر مجھ سے کہتا ہے کہ میں تمہیں ختم کر دوں... اس صورت میں میری ملازمت بچ سکتی ہے... ورنہ نہیں... سوال یہ ہے... وہ تمہاری موت کیوں چاہتا ہے۔''

''اسی بات پر تو میں بھی حیران ہوں۔''

''سنو! ہمیں اس بات کی تہ میں اترنا ہے... کیا تم اس کے حکم سے کاریں چوری کرتے رہو۔''

''نہیں... یہ تو میرا پارٹ ٹائم کام ہے... جب اس کی طرف کوئی کام ذمے نہیں لگا ہوتا تو میں ایسے کام کر لیتا ہوں...... تمام کارندے ایسا کرتے پھرتے ہیں... اور چونکہ ہم سب اس کے لیے کام کرتے ہیں... اس لیے وہ فوراً ہمیں چھڑا بھی لیتا ہے... اسی لیے میں آپ کے سامنے اکڑ رہا تھا۔ اب میں حیران ہوں... کہ مجھے حوالات سے چھڑانے کی بجائے اس نے میری موت کا حکم کیوں دیا۔''

''اس پر غور کرو... تمہیں اس کا کوئی راز اچانک تو معلوم نہیں ہو گیا۔''

''کیا۔'' اس کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''ہاں! کوئی راز... جو اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔''

''مجھے تو کوئی ایسی بات معلوم نہیں۔''

''لیکن میرا خیال ہے... کوئی ایسی بات ضرور ہے... اس بات کا امکان ہے کہ اس وقت وہ بات بالکل بھی ایسی نہ ہو... یا کم از کم تمہارے نزدیک اہم نہ ہو، لیکن آگے چل کر اچانک تمہیں اس بات کی اہمیت معلوم ہو جائے اور تم باٹلی والا کو بلیک میل کر سکو۔''

''آپ کی بات میں وزن ہے... لیکن مجھے ایسی کوئی بات معلوم نہیں۔''

''آج کل میں تمہیں اس کے بارے میں کوئی بات معلوم ہوئی ہو... بے شک وہ غیر اہم ہو... یاد رکھو... غور کرو۔''

''سوال یہ ہے کہ آپ اس بات سے کیا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔''

''ابھی یہ نہ پوچھو... زندگی چاہتے ہو تو مجھے کوئی ایسی بات یاد کر کے بتا دو... اور یہ بھی جان لو... ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے... مجھے صبح سویرے تمہاری لاش اس کے سامنے لے جانا ہے۔''

شادے کو جھرجھری آگئی۔ وہ سوچ میں ڈوب گیا... پھر اس نے سر اٹھا کر کہا:

''آپ مجھے سوچنے کی مہلت دیں... کم از کم آدھ گھنٹا۔''

''ٹھیک ہے... میں آدھ گھنٹے بعد آؤں گا...'' کالے خان نے کہا اور جانے کے لیے مڑ گیا... آدھ گھنٹے بعد وہ پھر آدھمکا... اس بار اس کے ماتحت اس کے ساتھ نہیں تھے... وہ سلاخوں سے آلگا... اور دبی آواز میں بولا:

''میں ماتحتوں کو ساتھ نہیں لایا... ہوسکتا ہے... وہ ایسی بات ہو... جس کا سبھی سے چھپانا ہمارے حق میں بہتر ہو...''

''آپ نے اچھا کیا... لیکن مجھے افسوس ہے... مجھے کوئی خاص

بات اب تک یاد نہیں آسکی... ہاں دو تین عام باتیں ہیں... جو مجھے اتفاق سے اس کے بارے میں معلوم ہوگئی ہیں... اب خدا جانے... وہ کسی کام کی ہیں یا نہیں۔''

''اس بات کو چھوڑو... مجھے وہ باتیں بتاؤ۔''

''پہلی بات... ایک رات اس نے خفیہ طور پر راجہ کافور سے ملاقات کی تھی... وہ ایک عام سا آدمی ہے... بالکل سیدھا سادا... اس کا نہ تو کسی سیاسی معاملے سے تعلق ہے اور نہ کسی اور معاملے سے... میں حیران ہوا تھا کہ اسے اس سے کیا کام آپڑا... کہ آدھی رات کو ملاقات کی... اس روز اس کے دونوں ڈرائیور بہت زیادہ کھا لینے کی وجہ سے شدید بیمار ہوگئے تھے اور اسے مجھے بطور ڈرائیور لے جانا پڑا تھا... ایک تو مجھے یہ بات معلوم ہوگئی... صرف اس وجہ سے کہ اس دن اس کا ڈرائیور نہیں تھا...''

''کیا وہ اس سے پہلے بھی اس شخص سے ملنے کے لیے جاتا رہتا ہے۔''

''بھلا مجھے کیا معلوم... میں اس کا ڈرائیور نہیں ہوں... نہ وہ مجھے اس طرح ساتھ لے جاتا ہے... یہ تو ایک اتفاق تھا۔''

''اچھی بات ہے... میں یہ نام نوٹ کر لیتا ہوں... یہ شخص رہتا کہاں ہے۔''

''سلطان پورے کی گلی نمبر 19 میں... مکان نمبر 2 ہے۔''

''یہ تو ہوگئی ایک بات... دوسری بات؟''

''وہ ہر جمعرات کو ایک مزار پر ضرور جاتا ہے... لیکن خفیہ طور پر... مجھے یہ بات بھی اتفاق سے معلوم ہوگئی۔''

''وہ کیسے؟''

''میں اس روز اس علاقے میں کوئی کار اڑانے کے چکر میں گیا تھا... کہ اس کی کار وہاں آ کر رکی اور وہ کار سے اتر کر مزار کے اندر چلا گیا۔ میں بے خیالی میں ڈرائیور کی طرف بڑھ گیا... ڈرائیور نے مجھے دیکھا تو گھبرا گیا... میں اس سے پوچھ بیٹھا... یہ ہمارے صاحب! یہاں کیا کرنے کے لیے آئے ہیں... ڈرائیور کا رنگ زرد پڑ گیا... اس نے دبی آواز میں کہا...

''شادے فوراً یہاں سے چلے جاؤ... اگر اس نے دیکھ لیا کہ تم اس کی یہاں آمد سے باخبر ہو گئے ہو تو ہو سکتا ہے... وہ تمہاری موت کا حکم دے دے... یہ سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور وہاں سے کافی دور ایک تاریک کونے میں کھڑا ہو گیا... آدھ گھنٹے بعد باٹلی والا باہر آیا اور کار میں بیٹھ کر چلا گیا... یعنی ایک یہ بات مجھے معلوم ہو گئی، لیکن میرے ذہن سے نکل گئی تھی... کافی مدت پہلے کی بات ہے... وہ تو جب آپ نے غور کرنے کے لیے کہا تو اس وقت مجھے یاد آئی...''

''یہ بات کافی اہم ہے... خاص طور پر اس ڈرائیور کا ایسی بات کہنا... اس کا کیا نام ہے... اور کیا وہ اب بھی اس کا ڈرائیور ہے۔''

''اس کا نام صبوری خان ہے... اب وہ اس کا ڈرائیور نہیں ہے... یہ بھی نہیں معلوم کہ اب وہ کہاں کام کرتا ہے... کیونکہ مدت ہوئی... میں نے اسے نہیں دیکھا۔''

''اس کے گھر کے بارے میں معلوم ہے۔''

''نہیں... بالکل نہیں... لیکن دوسرے ڈرائیور بتا سکیں گے...''

''اور ہم اس کے ڈرائیوروں سے یہ بات پوچھ نہیں سکتے۔''

''ہاں! یہ بات تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

''خیر... میں نے یہ بات بھی نوٹ کر لی ہے... اس میں ایک بات ہے... تم نے کہا ہے کہ وہ ہر جمعرات کو وہاں جاتا ہے... یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔''

''جس انداز سے ڈرائیور نے مجھے روکا تھا... اس سے میں الجھن کا شکار ہو گیا تھا... اور ہر روز اس تاریک کونے میں اس وقت جا کر کھڑا ہوتا رہا تھا... آخر جمعرات کے دن ہی وہ پھر آیا... اب میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ وہاں ہر جمعرات کو آتا ہے... احتیاطاً میں نے اگلی جمعرات کو پھر چیک کیا تھا اور وہ آیا تھا... پھر میں نے جانا چھوڑ دیا تھا... کیونکہ اس کی ٹوہ میں رہنا میرے لیے اور زیادہ خطرناک تھا...''

''خیر... یہ تو ہو گئیں دو باتیں... ارے ہاں... ڈرائیور کا نام کیا تھا؟''

''عالی جاہ۔''

''تمہارا مطلب ہے، اس کا نام عالی جاہ ہے۔''

''ہاں! اگر وہ زندہ ہے تو اس کا نام عالی جاہ ہے... اور اگر وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے تو پھر اس کا نام عالی جاہ تھا۔''

''کیا مطلب...؟'' کالے خان نے چونک کر کہا۔

''اس کے بارے میں دبے لفظوں میں کارکن باتیں کرتے نظر آتے ہیں... یہ باتیں کھسر پھسر سے آگے نہیں جاتیں... لیکن خیال یہی ہے کہ اس کی گم شدگی سے لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ باٹلی والا نے اسے مروا دیا ہے۔''

''اوہ... نن... نہیں۔'' کالے خان کے منہ سے مارے خوف کے

نکلا... پھر وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

''اچھا خیر! یہ تو ہو گئیں دو باتیں... تیسری بات کیا ہے؟''

''تیسری بات یہ ہے کہ باٹلی والا مہینے میں ایک بار ایک دن کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی کو بھی کچھ معلوم نہیں ہے... بس اتنی بات سب کو معلوم ہے کہ وہ پورے چوبیس گھنٹوں کے لیے مہینے میں ایک بار غائب ہو جاتا ہے... وہ کہاں جاتا ہے... کس وقت جاتا ہے... یا کس تاریخ کو جاتا ہے... یہ کسی کو معلوم نہیں...''

''خوب! یہ بہت پراسرار بات ہے... سوال یہ ہے کہ ہم ان میں سے کون سی بات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔'' کالے خان نے کہا۔

''یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ مہینے میں ایک بار وہ غائب ہو جاتا ہے... لہٰذا ہم میں سے کوئی بھی اس بات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا... ہاں اگر ہم یہ معلوم کر لیں کہ غائب کہاں ہوتا ہے... تب شاید یہ بات ہمارے کام آ سکے... لیکن اس کا کوئی امکان نہیں... مزار والی بات اتنی خفیہ ہے بھی نہیں... کیونکہ آخر وہ دن کی روشنی میں سب کے سامنے جاتا ہے... کس سے ملتا ہے... یہ ہمیں معلوم نہیں... رہ گئی پہلی بات... اس نے راجہ کافور سے آدھی رات کے وقت کیوں ملاقات کی تھی... یہ بات شاید ہم معلوم کر سکتے ہیں... کیونکہ اس شخص کا پتا مجھے معلوم ہے۔''

''مطلب یہ کہ آپ مجھے اس کے حکم پر موت کے حوالے نہیں کر رہے۔'' اس بار شادے کی آواز قدرے جان دار تھی۔

''ہاں! اس کا امکان ہو چلا ہے... لیکن تمہیں وہی کرنا ہو گا... جو میں کہوں۔''

''ٹھیک ہے... جب اس شخص نے میری موت کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر میں کیوں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا... اگرچہ جانتا ہوں... وہ میرے ساتھ آپ کو بھی چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہے... لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں... مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے۔''

''تمہیں ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہو گا۔''

''کک... کہاں۔'' وہ کانپ گیا۔

''گھبراؤ نہیں... بس تم مجھے دھوکا نہ دینا... فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا... میں اپنی ملازمت داؤ پر لگا رہا ہوں... تم بھی میرا ساتھ دو... نہیں دو گے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا... البتہ یہ بات خود تمہارے لیے نقصان دہ ہو گی۔''

''آپ فکر نہ کریں... میں فرار نہیں ہوں گا... اس لیے کہ میں جانتا ہوں... میں فرار ہو کر بھی اس سے نہیں بچ سکوں گا۔''

''میں تمہیں ایک ایسی جگہ لے جا رہا ہوں... جہاں پہنچ کر ہم دونوں یہ محسوس کریں گے کہ ہم محفوظ جگہ پہنچ گئے ہیں۔''

''اوہ... اوہ وہ جگہ کون سی ہے۔''

جواب میں کالے خان مسکرا دیا... اس نے شادے کا بازو پکڑا اور اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

کہانی لمبی ہے

ان کے دروازے کی گھنٹی بجی... ایک منٹ بعد پھر بجی... تینوں کی آنکھ تو پہلی ہی گھنٹی پر کھل گئی تھی... لیکن وہ دیکھنا چاہتے تھے... گھنٹی بجانے والا دوسری بار بھی بجاتا ہے یا نہیں... پھر جب دوسری گھنٹی بج گئی، تب محمود نے کہا:

''میرا خیال ہے... اٹھ کر دروازے پر جانا ہی ہوگا۔''

''روکا کس نے ہے... جاؤ۔'' فاروق کی آواز لہرائی۔

''گویا تم ساتھ نہیں چلو گے۔''

''مجھے معلوم نہیں تھا... تم اس قدر ڈرپوک ہو گئے ہو۔''

''چلو اب تو معلوم ہو گیا... آؤ چلیں۔'' محمود مسکرایا۔

''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔'' فرزانہ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

''کیا مطلب... تم کس بات کا مشورہ نہیں دو گی... اور ہم نے تم سے مشورہ مانگا کب ہے۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''اس وقت رات کے تین بج رہے ہیں... یہ سوچ لو۔'' فرزانہ نے

گویا خبردار کیا۔

''رات کے تین بجے یہ سوچنا آسان کام نہیں۔'' فاروق مسکرایا۔

''اچھی بات ہے... اب میں تم دونوں کو نہیں روکوں گی...''

''ہم ڈرنے والوں میں سے نہیں ہیں... آؤ فاروق چلیں۔''

عین اس وقت انہوں نے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ چونک اٹھے:

''ارے باپ رے... شاید امی جان دروازے کی طرف جا رہی ہیں... اس خیال سے کہ ہماری آنکھ نہیں کھلی۔'' محمود نے گھبرا کر کہا اور کمرے سے نکلتے ہی دروازے کی طرف لپکا... ادھر ان کی والدہ دروازے کے قریب پہنچ چکی تھیں۔

''رک جائیے امی جان! باہر خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''ظاہر ہے... دروازہ کھولنے سے پہلے میں اپنا اطمینان کرتی۔''

''اوہ ہاں... واقعی... خیر... اب آپ کمرے میں چلیں... ہم دیکھ لیتے ہیں۔'' محمود نے کہا اور دروازے پر آ کر میجک آئی سے باہر دیکھا... اسے باہر دو آدمی کھڑے نظر آئے... دونوں کے چہروں سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

''جی... فرمائیے... ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں۔''

''ہمیں انسپکٹر صاحب سے ملنا ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''اس وقت... رات کے تین بجے ہیں۔''

''ہاں! مجبوری ہے... ہم دن کی روشنی میں نہیں آ سکتے تھے۔''

''اچھی بات ہے... ہم دروازہ کھول رہے ہیں... اگر آپ نے

کوئی غلط حرکت کی... یا آپ کسی بڑے ارادے سے آئے ہیں تو اس کے ذمے
دار آپ خود ہوں گے۔''

''ہم جن حالات میں آئے ہیں، ہمیں ہی معلوم ہے... بس یوں سمجھ
لیں... موت ہمارے تعاقب میں ہے۔'' ایک نے کہا۔

''تب تو ہم معذرت چاہتے ہیں ۔آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکیں
گے... کیونکہ موت سے بھلا کب کوئی بچ سکا ہے... موت تو انبیا کو بھی آتی
ہے... موت کا ذائقہ تو ہر کسی کو چکھنا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں... لیکن ہم نے یہ نہیں کہا کہ عزرائیل علیہ
السلام ہمارے تعاقب میں ہیں... کچھ لوگ ہماری جان کے دشمن ہیں اور اگر
ہم کسی محفوظ جگہ پر نہ پہنچ گئے تو صبح تک وہ ہمیں آلیں گے۔''

''اچھی بات ہے... ہم دروازہ کھول رہے ہیں، اللہ مالک ہے۔''

محمود نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ ہی دیوار سے جا
لگا... فاروق اور فرزانہ پہلے ہی برآمدے کے دونوں ستونوں کی اوٹ لے چکے
تھے...

''ارے! دروازہ کس نے کھولا... یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' ان
میں سے ایک نے چونک کر کہا۔

''دروازہ بند کر دیں... اور ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔''

''اوہ! یہ تو آپ ابھی تک اس خیال میں ہیں کہ ہو سکتا ہے، ہم غلط
لوگ ہوں۔''

''ہمارا دن رات کام ایسا ہی ہے... جو کہا ہے... وہ کریں۔''

ایک نے دروازہ بند کر دیا اور پھر ان کے ہاتھ بلند ہو گئے:

''ہاں! اب ٹھیک ہے... ہاتھ بلند ہی رہیں... نیچے گرانے کی کوشش
نہ کریں... اور اب بتائیں... آپ کون ہیں... ہماری طرف کیوں آئے
ہیں۔''

''کہانی ذرا لمبی ہے... بتانے میں کچھ وقت تو لگے گا... کیا آپ
محمود ہیں۔''

''آپ کا اندازہ درست ہے...''

''میں انسپکٹر کالے خان ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

وہ اس نام کے ایک پولیس افسر کے بارے میں جانتے تھے... اس
کے بارے میں سننے میں آیا تھا کہ وہ حد درجے ایمان دار ہے... رشوت سے
کوسوں دور بھاگتا ہے... اور اس سلسلے میں وہ دوسروں سے یہ کہتا ہے کہ زندگی
گزارنے کے اصول اس نے انسپکٹر جمشید سے سیکھے ہیں...''

''تو آپ وہ کالے خان ہیں۔'' فاروق کے منہ سے نکلا۔

اب وہ ان کے سامنے آگئے:

''مہربانی فرما کر ہاتھ نیچے گرا دیں... آئیے صحن میں بیٹھ کر بات
کریں...''

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے:

''کیا انسپکٹر صاحب گھر پر نہیں ہیں۔'' کالے خان بولا۔

''جی نہیں... وہ شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں، تاہم کل کسی وقت ان
کے واپس آنے کی امید ہے۔''

''اوہ... اوہ... اب کیا ہو گا۔'' کالے خان گھبرا گیا۔

"بات کیا ہے... کیا آپ کے خیال میں ہم آپ کے کام نہیں آ سکتے؟"

"کام آسکتے ہیں یا نہیں... میں کچھ کہہ نہیں سکتا... ہمارا مقابلہ بہت زور آور سے ہے۔"

"آپ شروع کریں۔"

کالے خان نے شادے کے بارے میں انہیں بتایا... پھر تھانے میں میاں باٹلی والا کے بارے میں بتایا، اس کے بعد باٹلی والا نے جو حکم اسے دیا تھا، اس کی تفصیل سنائی... پھر بولا:

"اور آخر میں نے فیصلہ کیا... میں بلاوجہ شادے کو جان سے کیوں ماروں، کار چوری کرنے کی سزا موت تو نہیں ہو سکتی... اس کا حکم نہ ماننے کی صورت میں خود میری زندگی خطرے میں تھی... اس لیے میں نے اسے حوالات سے نکالا اور یہاں لے آیا۔"

"ہوں... معاملہ واقعی سنگین ہے... آپ کا کیا خیال ہے... کیا اسے معلوم ہو جائے گا کہ آپ دونوں یہاں آ گئے ہیں۔"

"میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ میرے علاوہ یہ بات کسی کو بھی معلوم نہ ہو... اس لیے میں نے تو شادے کو بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ کہاں جا رہے ہیں... یہاں آ کر ہی اسے معلوم ہوا ہے۔"

"ہوں... آپ کو چاہیے تھا کہ آنے سے پہلے چھٹی کی درخواست لکھ کر رکھ آتے۔"

"یہ میں کر آیا ہوں... اور۔"

"اور کیا..."

"ماتحتوں کو بتا آیا ہوں کہ شادے کو میاں باٹلی والا کے پاس لے جا رہا ہوں۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا... اس کا مطلب ہے... اب باٹلی والا کو تو صبح سے پہلے کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔"

"اندازہ یہی ہے۔" کالے خان نے کہا۔

"تو پھر اٹھیے... ہمیں ابھی اور اسی وقت آپ دونوں کو محفوظ جگہ پہنچانا ہے۔"

انہوں نے دونوں کو کار میں بٹھایا... اپنی والدہ سے دروازہ بند کرنے کے لیے کہا تھا... تاہم ایک چوراہے پر انہیں رکنا پڑا... ٹریفک سارجنٹ وہاں موجود تھا... وہ ان کی طرف آیا اور بولا:

"اپنے کاغذات دکھائیں... رات کے پچھلے پہر آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"ہم ذرا جلدی میں ہیں جناب! آپ یہ ہمارا کارڈ دیکھ لیں۔" یہ کہتے ہوئے محمود نے کارڈ اسے دکھا دیا... اتنی دیر میں وہ بھی کار کی پچھلی سیٹ کا جائزہ لے چکا تھا اور پیچھے فاروق، کالے اور شادے کو دیکھ چکا تھا... اس کے چہرے پر شک کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ کارڈ دیکھ کر وہ چونکا۔

"اوہ! یہ تو آپ ہیں... معاف کیجیے گا... آپ جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ!"

وہ انہیں وہاں سے سیدھے خفیہ ٹھکانے نمبر ایک پر لے آئے... ٹھکانے کے انچارج کو ساری بات سمجھائی اور واپس روانہ ہو گئے... واپسی پر بھی اس چوراہے پر سارجنٹ نے انہیں روکا... لیکن پھر ان کی کار کو پہچان کر

جانے کا اشارہ دے دیا...

وہ گھر میں داخل ہوئے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی:

''اس گھنٹی سے خطرے کی بو آرہی ہے... میرا خیال ہے... نہ سنو۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''حد ہوگئی... اب انہیں فون کی گھنٹی سے خطرے کی بو بھی آنے لگی... ہے کوئی تک۔'' محمود نے جھلا کر کہا اور آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا:

''سنو محمود... ابھی اور اسی وقت کار میں بیٹھ کر شکر پور آجاؤ۔''

''جی... کیا فرمایا آپ نے شکر پور۔''

''ہاں... جلدی کرو...''

''لیکن...'' محمود نے کہنا چاہا...

''لیکن ویکن نہیں... نکل پڑو۔''

یہ کہتے ہی انہوں نے فون بند کر دیا... اب انہوں نے یہ خبر اپنی والدہ کو بتائی اور نکل آئے... اب ان کی کار شکر پور کی طرف اڑی جا رہی تھی اور مزے کی بات یہ کہ انہیں ایک بار پھر اسی چوراہے سے گزرنا تھا... جس پر دو مرتبہ سارجنٹ انہیں روک چکا تھا... لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے... تاہم محمود نے موبائل پر اپنے والد کے نمبر ڈائل کیے اور بولا:

''ابا جان! ہم نکل پڑے ہیں... لیکن بہتر ہوتا کہ آپ پہلے ادھر کے حالات سن لیں۔''

''اس کا مطلب ہے... تم یہاں کسی کیس میں الجھ چکے ہو... کوئی پروا نہیں... تم بس شکر پور پہنچ جاؤ۔'' انہوں نے ایک بار پھر فون بند کر دیا۔

''پتا نہیں کیا ہو رہا ہے...

''پہلے تو وہ چوراہا آرہا ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''اور وہی سارجنٹ ہمیں ایک بار پھر رکنے کا اشارہ دے چکا ہے۔''

''کوئی پرواہ نہیں۔''

انھوں نے کار روک لی... سارجنٹ ان کی طرف آیا اور دیکھ کر بولا۔

''یہ آپ کرتے کیا پھر رہے ہیں۔''

''ہم آپ کو جواب دہ نہیں ہیں... آپ کو کارڈ دکھا چکے ہیں... سمجھے جناب۔'' محمود نے قدرے تیز لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا...

اب سارجنٹ نے انہیں روکنے کی کوشش نہ کی... تاہم اس نے برا سا منہ ضرور بنایا اور کندھے بھی اچکائے تھے۔

دار الحکومت سے شکر پور کا فاصلہ دو گھنٹے کا تھا... وہ ایک پہاڑی قصبہ تھا... اور بہت پر فضا تھا... جب ان کی کار قصبے میں داخل ہوئی تو صبح کی اذانیں ہو رہی تھیں... اب انہوں نے پھر اپنے والد کے نمبر ملائے اور سلسلہ ملنے پر بولے۔

''ہم یہاں پہنچ گئے ہیں... کہاں ٹھہرنا ہے۔''

''ریسٹ ہاؤس میں۔''

اس قصبے میں سرکاری ریسٹ ہاؤس موجود تھا... انہیں اس کا پتا تھا... لہٰذا فوراً وہاں پہنچ گئے۔ وہ دیکھ کر کھل اٹھے کہ وہاں پروفیسر داؤد اور خان رحمان بھی موجود تھے۔

''اوہو... یہاں تو ہمارے انکل بھی ہیں... مزہ آگیا۔''

''اندازہ درست نہیں۔'' خان رحمان نے برا سا منہ بنایا

’’کیا مطلب انکل۔‘‘

’’مزے کا دور دور تک پتا نہیں۔‘‘

’’پتا نہیں اس مزے کو ہو کیا گیا... خیر آپ فکر نہ کریں، اب ہم آ گئے ہیں... ان شاء اللہ مزے کا انتظام بھی کریں گے۔‘‘

’’پہلے تو نماز پڑھ لی جائے... یہاں قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد ہے، وہاں جماعت کی نماز مل جائے گی۔‘‘ انسپکٹر جمشید نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

نماز پڑھ کر وہ واپس لوٹے اور ریسٹ ہاؤس کے باغیچے میں آ کر بیٹھ گئے۔

’’ہاں اب بتاؤ... وہ کیا حالات ہیں جن کی بنیاد پر تم آنے سے گھبرا رہے تھے۔‘‘

’’کیا آپ ہمیں نہیں بتائیں گے... آپ نے ہمیں اس قدر عجلت میں یہاں کیوں بلایا ہے۔‘‘ محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

’’کیوں نہیں بتائیں گے... لیکن پہلے تم۔‘‘

انھوں نے کالے خان اور شادے کے بارے میں انہیں تفصیل سے بتا دیا۔ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر بل پڑ گئے... آخر انہوں نے کہا:

’’یہ حالات خوفناک ہیں... صبح سویرے اس کے کارندے شہر بھر میں انسپکٹر کالے خان اور شادے کو تلاش کرتے پھریں گے... خیر... تم نے اچھا کیا کہ انہیں ٹھکانہ نمبر ایک پر پہنچا دیا... اس کے کارندے وہاں نہیں پہنچ سکیں گے... تاہم احتیاط میں وہاں کے انچارج کو ہدایات دیے دیتا ہوں۔‘‘

’’ہم اچھی طرح بتا آئے تھے۔‘‘

’’پھر بھی... میں ضرورت میں محسوس کر رہا ہوں... اور ایسا میں ایک خوف کی وجہ سے کر رہا ہوں۔‘‘

’’جی کیا مطلب؟‘‘

’’شادا بہر حال میاں باٹلی والا کا آدمی ہے... ہو سکتا ہے... باٹلی والا نے خفیہ طور پر اس کے لباس میں کوئی ایسی چیز چھپا دی ہو... جس کی وجہ سے وہ یہ جان سکیں کہ شادا کہاں ہے... آج کل بڑے بڑے جرائم پیشہ لوگ... اپنے کارکنوں کی نگرانی کے لیے ایسے حربے اختیار کرتے ہیں...‘‘

’’اوہ!‘‘

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

☆☆☆☆☆

شادے میاں

''ہاں! ان حالات میں انچارج کو خبردار کرنا بہت ضروری ہے۔''

یہ کہتے ہی انہوں نے نمبر ملائے... جونہی انچارج کی آواز سنائی دی... انہوں نے کہا:

''انہیں فوراً یہاں سے منتقل کر دو... لیکن اس سے پہلے ان کے لباس تبدیل کر دینا۔''

''مجھے افسوس ہے سر...'' انچارج کی پریشان کن آواز سنائی دی۔

''کیا مطلب؟''

''آپ نے بہت دیر سے اطلاع دی... عمارت کے چاروں طرف اس وقت کچھ لوگ پوزیشن لے چکے ہیں... بظاہر وہ نظر نہیں آ رہے... لیکن انفراریڈ کیمرے ان کی پوزیشن واضح کر رہے ہیں...''

''اوہ... اوہ... یہ اچھا نہیں ہوا... کیا تم انہیں دو گھنٹے تک روک سکتے ہو... یعنی وہ عمارت میں داخل نہ ہونے پائیں۔''

''ان کی تعداد بہت زیادہ ہے سر... میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا... ہاں آپ سب انسپکٹر اکرام کے ساتھ فورس روانہ کر دیں تو اور بات ہے... اس

طرح کارکن درمیان میں آجائیں گے اور ہم ان پر دو طرف سے حملہ کر سکیں گے۔''

''میں اکرام کو ہدایات دے رہا ہوں... لیکن شاید وہ کچھ نہ کر سکے۔''

''جی... کیا مطلب... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''آئی جی صاحب سے کہہ کر اکرام اور اس جیسے لوگوں کی ڈیوٹیاں پہلے ہی ادھر ادھر لگوا دی گئی ہوں گی... تم لوگ باٹلی والا کو نہیں جانتے... وہ بہت زیادہ خطرناک ہے... اس کا مقابلہ کرتے ہوئے، ہمیں دانتوں پسینہ آ جائے گا۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے۔''

''خیر تم فکر نہ کرو... ہم آ رہے ہیں... آخری دم تک ان کا مقابلہ کرنا ہوگا... ان دونوں کو تہ خانے میں چھپا دو... لیکن پہلے لباس تبدیل کرا دو... اور ان کے لباس جلا دو۔''

''جی بہتر!''

''ہم روانہ ہو رہے ہیں... اگرچہ میرا یہاں سے نکلنا بھی کسی طرح مناسب نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا۔

وہ اسی وقت خان رحمان کی بڑی گاڑی میں شہر کی طرف روانہ ہو گئے...... اب انہوں نے اکرام کو فون کیا۔

''السلام علیکم... فوری طور پر خفیہ عمارت نمبر 1 کی طرف روانہ ہو جاؤ... کچھ خطرناک لوگوں نے عمارت کو گھیرے میں لے لیا ہے... میں اس وقت شکر پور میں ہوں... عمارت کی طرف روانہ ہو چکا ہوں... لیکن ظاہر ہے،

میں دو گھنٹے میں پہنچ سکوں گا۔''

''مجھے افسوس ہے سر... اکرام بولا۔

وہ مسکرا دیے... کیونکہ وہ تو پہلے ہی خیال ظاہر کر چکے تھے:

''کیا ہوا اکرام۔'' انہوں نے پوچھا۔

''آئی جی صاحب نے خاص طور پر میری ڈیوٹی میاں باٹلی والا کی کوٹھی پر لگا دی ہے... صبح سے پہلے میں وہاں سے ہل نہیں سکتا... یہ ان کا حکم ہے...''

''اوہ اچھا... کوئی بات نہیں... لیکن یہ بات چیت تم اپنے تک رکھنا... کوئی یہ جاننے کی کوشش ضرور کرے گا کہ میں نے تم سے رابطہ کیا یا نہیں... عمارت نمبر ایک کے بارے میں بھی کسی کو کچھ نہ بتانا۔''

''جی بہتر...''

''اور آئندہ کے لیے ایک ہدایت سن لو۔''

''جی فرمایئے۔''

''اگر آئی جی صاحب تمہاری ڈیوٹی کہیں خاص طور پر لگانا چاہیں تو فوراً مجھے فون کر دینا۔''

''جی اچھا! میں خیال رکھوں گا۔''

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بہت بے چین نظر آ رہے تھے... محمود نے فوراً کہا۔

''آپ نے انکل کو یہ ہدایت کیوں دی؟''

''اکرام خاص طور پر میرا اسسٹنٹ ہے... اس کی ڈیوٹی کہیں لگائی ہی نہیں جا سکتی... اور اگر کوئی خاص مجبوری پیش آ جائے تو آئی جی صاحب کو مجھ

سے کہنا پڑے گا کہ اکرام کو فلاں جگہ بھیج دیا جائے... یہ نہیں کہ اوپر اوپر سے اس کی ڈیوٹی کہیں لگا دی جائے... اب چونکہ ایسا ہو چکا ہے... اس لیے میں نے اکرام کو واپس بلانا مناسب نہیں سمجھا۔''

پھر وہ آندھی اور طوفان کی طرح کار چلاتے ہوئے آخر خفیہ ٹھکانے تک پہنچ گئے... راستے میں وہ انچارج سے حالات معلوم کرتے رہے تھے... اس نے ہر بار یہی بتایا تھا کہ حالات جوں کے توں ہیں۔ جو لوگ باہر موجود ہیں، وہ اپنی اپنی جگہوں پر ہیں... کالے خان اور شادے کے بارے میں اس نے بتایا کہ ان کے لباس تبدیل کر کے، انہیں تہ خانے میں پہنچا دیا گیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ خطرے کے وقت وہ اس تہ خانے سے نکل کر درختوں کے ایک جھنڈ میں پہنچ سکتے ہیں... وہاں ہمارا ایک کارکن موجود ملے گا، وہ انہیں آگے محفوظ مقام پر پہنچائے گا۔

ان حالات میں وہ عمارت کے نزدیک پہنچ گئے... اور کار سے اتر کر آگے بڑھے... پستول انہوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے... اچانک انسپکٹر جمشید کو ایک زوردار جھٹکا لگا... ان کے منہ سے نکلا:

''اوہ! یہ میں نے کیا کیا؟''

''جی... کیا مطلب... کیا آپ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔''

''ہاں شاید... امکان بھی ہے... اور یہ بات ابھی واضح ہو جائے گی...''

یہ کہ کر وہ واپس مڑے اور کار تک آئے...

''سب لوگ کار میں بیٹھ جائیں... ہم اسی میں بیٹھ کر دروازے تک جائیں گے۔''

"ارے باپ رے جمشید... اگر ان لوگوں نے فائرنگ کر دی۔"

پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔

"پھر کیا ہوا... ہماری کار تو پہلے ہی بلٹ پروف ہے۔"

"اوہ ہاں... یار جمشید یہ بات تو مجھے یاد ہے۔"

وہ مسکرا دیے... کیونکہ ایسے موقع پر کہا جاتا ہے... اوہ یہ بات تو میں بھول ہی گیا۔ انہوں نے انچارج کو بتایا کہ وہ کار سمیت آ رہے ہیں... بے دھڑک ہو کر دروازہ کھلوا دے...... اس طرح وہ خیریت سے عمارت کے اندر داخل ہو گئے۔ کافی دیر گزر گئی... باہر موجود دشمن حرکت میں نہ آئے... بس پوزیشن لیے بیٹھے رہے... پھر اچانک انہیں چھت کی طرف سے پیغام ملا:

"وہ واپس جانے کی تیاری کر رہے ہیں سر۔"

"انہیں جانے دیا جائے..." انسپکٹر جمشید نے ہدایت دی۔

جلد ہی وہاں سے میدان صاف تھا... ان کے چہروں پر حیرت ہی حیرت تھی... فرزانہ سب سے زیادہ بے تاب تھی، لہٰذا پہلے وہی بولی:

"آخر یہ سب کیا ہے۔"

"ہمارے خلاف منصوبہ بندی کی گئی تھی... وہ اس میں پوری طرح کامیاب رہے۔" انسپکٹر جمشید نے پریشانی کے عالم میں کہا...

"جی... ہم سمجھے نہیں۔"

"کوئی نامعلوم شخص چاہتا تھا... میں 18 سے 19 تاریخ تک شکر پور میں رہوں... اس نے یہ بات ملک اور قوم کا واسطہ دے کر مجھ سے کہی تھی... ساتھ ہی اس نے درخواست کی تھی کہ اس بات کا ذکر میں کسی سے بھی نہ

کروں... سو میں وہاں چلا گیا تم لوگوں کو صرف یہ بتایا تھا کہ میں اڑتالیس گھنٹے بعد لوٹوں گا... لیکن میں یہاں کی ہولناک خبریں سن کر وہاں سے چلا آیا... اور میں بھول گیا کہ اس نامعلوم آدمی نے کیا کہا تھا... اب اگر یہ سارا چکر مجھے وہاں سے ہٹانے کے لیے تھا، تب تو وہ اس میں کامیاب رہے ہیں اور اگر ایسی کوئی بات نہیں تو پھر وہ اس عمارت کے نزدیک آ کر خاموشی سے واپس کیوں لوٹ گئے ہیں... کالے خان اور شادا تو ابھی یہیں ہیں... یہ سارا معاملہ الجھن میں ڈال رہا ہے... لیکن ابھی ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"مطلب یہ کہ اس نامعلوم شخص نے آپ کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا کہ شکر پور میں مسئلہ کیا ہے۔"

"نہیں! اس نے کہا تھا... وہ کچھ بھی نہیں بتا سکتا... آپ بس یہاں پہنچ جائیں اور ذرا معلوم کرنے کی کوشش کریں... میں نے وہاں پہنچ کر پورے قصبے کے حالات کا جائزہ لیا... گھوما پھرا... پولیس اسٹیشن کی سیر بھی کی... ان سے بھی یہی پوچھا کہ یہاں حالات ٹھیک تو ہیں... انہوں نے کہا... ہاں جناب بالکل ٹھیک ہیں... یہاں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں ہے... میں دیکھتا پھر رہا تھا اور ابھی وہاں ٹھہرنے کا ارادہ تھا کہ ادھر کے حالات سن لیے... اور فوراً ادھر آنے کا پروگرام بنا لیا... اب ذرا غور کرو... ابھی شادے نے کار نہیں چرائی تھی... اور اس نامعلوم آدمی کے فون کی وجہ سے میں شکر پور جا چکا تھا... ایسے میں میاں باٹلی والا کو یہ بات معلوم ہو گئی... یا اسے کسی نے یہ بات بتا کر خود کہا کہ انسپکٹر جمشید کو کسی نہ کسی طرح واپس دارالحکومت میں بلا لیا جائے... چنانچہ یہ ڈرامہ رچایا گیا... اور اس کا مطلب ہے..."

وہ کہتے کہتے رک گئے... ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی...

پھر انہوں نے انچارج کے کان میں کچھ کہا... وہ فوراً عمارت سے باہر چلا گیا...

"آپ کیا کر رہے ہیں... اس کا مطلب کیا ہے؟"

"اس کا مطلب... خیر چھوڑو... جو مطلب ہے... وہ سامنے آ ہی جائے گا... کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ میں یہاں واپس آ گیا ہوں تو وہ میدان سے ہٹ گئے... حالانکہ دیکھا جائے تو وہ کالے خان اور شادے کے سلسلے میں آئے تھے... تب پھر انہیں چھوڑ کر کیوں چلے گئے..."

"آپ کی باتوں میں وزن ہے۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے۔"

"رنگین۔" وہ بولے۔

اس وقت انچارج واپس آ گیا... اس نے ہاں میں سر ہلا دیا...

"ٹھیک ہے... اب تم انہیں تہ خانے سے لے آؤ۔"

"جی اچھا۔"

انچارج گیا اور ان دونوں کو لے آیا... کالے خان نے فوراً پر جوش انداز میں انسپکٹر جمشید سے ہاتھ ملایا جب کہ شادا پریشان نظروں سے انہیں دیکھنے لگا:

"تو آپ ہیں شادے صاحب۔"

"ج... جی۔" وہ ہکلایا۔

"خطرہ ٹل گیا ہے... اب آپ لوگ بے فکر ہو کر اپنے گھروں کو جا سکتے ہیں۔"

"آپ... آپ کا مطلب ہے... میاں باٹلی والا اب ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔"

"ہاں! یہی بات ہے... اور میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پھر شکر پور جا رہا ہوں... نہ جانے وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"شکر پور... کیا مطلب؟" کالے خان کے لہجے میں حیرت تھی... جب کہ شادے کی آنکھوں میں شکر پور کا نام سن کر خوف سمٹ آیا تھا۔

"مسٹر شادے... اب ساری بات صاف صاف بتا دو۔"

"جی... کیا مطلب؟"

"میں نے کہا ہے... ساری بات صاف صاف بتا دو۔"

"آخر کون سی بات۔"

"تمہیں باٹلی والا نے کیا ہدایات دی تھیں۔"

"جی کوئی بھی نہیں... میں تو کار چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا... اور بس... میرا خیال تھا... وہ مجھے فوراً چھڑا لے گا... لیکن انسپکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ تو میری موت چاہتا ہے... اس کے بعد تو جو کچھ پروگرام بتایا... انسپکٹر صاحب نے بتایا... میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا..."

"ہاں جناب! یہ ٹھیک ہے۔" کالے خان نے فوراً کہا۔

"اس کی وجہ ہے... اگر آپ اسے لے کر میرے پاس نہ آتے تو یہ خود یہ تجویز پیش کرتا... مطلب یہ کہ باٹلی والا کا منصوبہ صرف یہ تھا کہ میں شکر پور سے فوراً واپس آ جاؤں... اور اس کا مطلب ہے... وہاں کچھ گڑ بڑ ہے... کیوں... شادے میاں۔"

انہوں نے گہرے طنزیہ لہجے میں کہا اور پھر ان کا ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آ گیا:

☆☆☆☆☆

شارجہ

میاں باٹلی والا کے کمرے میں ایک عجیب سی شکل صورت کا آدمی داخل ہوا۔ دیکھنے میں بالکل دبلا پتلا تھا۔ اس کی آنکھیں زرد تھیں اور اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ ناک حد درجے پتلی سی اور چہرے کے ساتھ لگی ہوئی سی تھی۔ چہرہ لمبا تھا... سر کے بال کسی جھاڑی کی طرح تھے۔

''ہوں کائل... کیا رپورٹ ہے۔''

''ہم مکمل طور پر کامیاب ہیں... شادے نے اپنا کردار خوب نبھایا، کالے خان اس پر ذرا بھی شک نہیں کر سکا اور اس سے پہلے کہ کالے خان خود ہی یہ تجویز پیش کرتا کہ اس معاملے میں انسپکٹر جمشید ہی ہماری مدد کر سکتے ہیں... کالے خان نے خود ہی یہ پروگرام بنا لیا... اور اسے انسپکٹر جمشید کے گھر لے گیا... ظاہر ہے، وہاں ان دونوں کی ملاقات انسپکٹر جمشید کے بچوں سے ہونا تھی... ادھر شکر پور میں انسپکٹر جمشید کوشش کے باوجود کوئی بات نوٹ نہ کر سکے... تنگ آکر انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو وہاں بلانے کا ارادہ کیا اور فون پر رابطہ کیا... ان تینوں نے کالے خان اور شادے والی کہانی سنا دی... انسپکٹر جمشید نے اس کہانی کو اہمیت نہ دی اور ان سے کہا کہ ان دونوں کو خفیہ

عمارت میں چھوڑ کر شکر پور آ جاؤ... جب ہم نے دیکھا کہ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی انسپکٹر جمشید شکر پور سے روانہ نہیں ہوئے تو ہم نے خفیہ عمارت کو اس طرح گھیرے میں لے لیا کہ ظاہر تو یہ ہو کہ ہم یہ کام خفیہ طور پر کر رہے ہیں، لیکن وہ لوگ ہمیں دیکھ کر پریشان ہو جائیں اور انسپکٹر جمشید کو خبردار کر دیں... چنانچہ یہی ہوا... اور آخر وہ شہر کی طرف چلے آئے... اب ظاہر ہے ہمیں چار گھنٹے مل گئے تھے... چار گھنٹے سے پہلے انسپکٹر جمشید واپس شکر پور نہیں آ سکتے تھے... لہٰذا ہم نے اپنا کام کر ڈالا۔''

''واہ میرے شیر... کیا خوب کیا ہے کام... اور اب یہاں کی پوزیشن کیا ہے۔''

''ہم نے اپنے آدمی وہاں سے واپس بلا لیے... اب رہ گیا شادا... ظاہر ہے... انسپکٹر جمشید اسے رہا کر دے گا... یا زیادہ سے زیادہ کالے خان کے حوالے کر دے گا اور کالے خان اسے حوالات میں بند کر دے گا... ہمارا وکیل اسے چھڑا لے گا۔''

''خوب خوب!... تمہارا جواب نہیں کائل... تم نے زبردست منصوبہ بندی کی... میں تو ایسا کوئی منصوبہ بنا ہی نہیں سکتا تھا۔''

''ہوں... خیر... اب تم شادے کی فکر کرو... وہ ہمارا بہت اچھا کارکن ہے، وہ کل تک ہمارے ساتھ ہو گا۔''

''ٹھیک ہے... چلو ہم اس کام سے فارغ ہوئے... او کے کائل... تم آرام کرو۔''

کائل اٹھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی... میاں باٹلی والا نے فون کا بٹن دبایا اور سیٹ کان سے لگا لیا... پھر دوسری طرف کی خبر سن کر وہ اچھل پڑا...

فوراً ہی کائٹ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا:

''کائٹ... لگتا ہے... گڑبڑ ہوگئی... فون شادے کا تھا۔''

''کیا مطلب... اس نے کیا کہا ہے۔''

''اس کا کہنا ہے... انسپکٹر جمشید اس سے سوالات کر رہے تھے کہ اچانک انہوں نے اس کے سر پر زوردار ہاتھ دے مارا... وہ بے ہوش ہو گیا... ہوش میں آیا تو اس نے خود کو ایک کمرے میں قید پایا ہے... اس نے اپنی خفیہ جیب کو ٹٹولا تو فون موجود تھا... بس اس نے فوراً مجھے فون کر ڈالا۔''

''دھت تیرے کی۔'' کائٹ نے جھلا کر کہا۔

''کیوں... کیا ہوا؟''

''یہ اس سے زبردست غلطی ہوئی... انسپکٹر جمشید اسے الگ کمرے میں بند کر کے یہی دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کسی کو فون تو نہیں کرتا... اور ظاہر ہے... اور ظاہر ہے... بے ہوش کرنے کے بعد انہوں نے اس کی اچھی طرح تلاشی لی ہوگی... اور جونہی اس نے آپ کو فون کیا... وہ اسی وقت کمرے میں آ گئے ہوں گے اور فون اس سے چھین لیا ہوگا... اور اس پر فون نمبر دیکھ لیا ہوگا اور انہوں نے جان لیا ہوگا کہ وہ نمبر آپ کا ہے۔''

''نہیں خیر... یہ تو وہ نہیں جان سکتے۔'' میاں باٹلی والا نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''وہ کیسے؟''

''اس لیے کہ یہ فون چرائے ہوئے ہیں... ان سے میرا نام معلوم نہیں ہو سکتا...''

''لیکن وہ اس نمبر پر آپ کو فون تو کر سکتے ہیں۔''

''میں ابھی یہ سم نکال کر ضائع کر دیتا ہوں۔''

''لیکن آپ شادے کا کیا کریں گے... شادا تو اب ان کے قابو میں ہے۔''

''اس کا بیان کوئی اہمیت نہیں رکھتا... اس سے زبردستی کچھ بھی اگلوایا جا سکتا ہے۔''

''ہوں! ٹھیک ہے... لیکن اس کے باوجود میرا ایک مشورہ ہے۔''

''اور وہ کیا۔''

''پہلی فرصت میں انسپکٹر جمشید کو ملازمت سے فارغ کرا دیں... اس صورت میں وہ آپ کے خلاف کوئی کارروائی جاری نہیں رکھ نہیں سکیں گے اور میں ان سے نبٹ لوں گا... وہ بھی شگر پور میں۔''

''کیا مطلب... شگر پور میں کیوں؟''

''ظاہر ہے... انسپکٹر جمشید ایک بار تو شگر پور ضرور جائے گا... یہ جاننے کے لیے کہ اسے وہاں سے ہٹانے کی کوشش کیوں کی گئی ہے۔''

''اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا... تم اس کا کام وہاں تمام کر دو۔''

''فکر نہ کریں... وہ اب مجھ سے بچ نہیں سکے گا... لیکن معطل تو آپ اسے کرا ہی دیں... اس لیے کہ... اس صورت میں الٹا ہم اس کے خلاف قانون کی مدد لے سکیں گے۔''

''فکر نہ کرو... میں ابھی فون کرتا ہوں... تم شگر پور کی تیاری کرو۔''

یہ سنتے ہی کائٹ کمرے سے نکل گیا... اب اس نے صدر صاحب کے نمبر ڈائل کیے۔ جونہی ان سے سلسلہ ملا، اس نے کہا:

''صدر صاحب! انسپکٹر جمشید میرے لیے ناقابل برداشت بنتا جا رہا
ہے... بلکہ آپ کے لیے بھی مستقبل قریب میں دردِ سر بننے والا ہے...''

''اوہو اچھا... آپ فکر نہ کریں میاں صاحب... میں ابھی اس کا
انتظام کیے دیتا ہوں۔''

جلد ہی آئی جی صاحب کو بتایا گیا کہ صدر صاحب ان سے فون
پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فوراً نمبر ملایا... دوسری طرف سے صدر
صاحب نے بہت تیزی کے عالم میں کہا:''

''انسپکٹر جمشید کو ابھی اور اسی وقت معطل کر دیا جائے اور ان سے
احکامات پر دستخط بھی لے لیے جائیں۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا... آئی جی صاحب
دھک سے رہ گئے لیکن کر بھی کیا سکتے تھے۔ انہوں نے فوراً انسپکٹر جمشید کے گھر
کے نمبر ڈائل کیے وہاں سے بیگم جمشید نے بتایا کہ وہ کسی کیس کے سلسلے میں گئے
ہیں... کہاں گئے ہیں، یہ انہیں معلوم نہیں۔''

انہوں نے فوراً ان کے موبائل نمبر ڈائل کیے... لیکن موبائل
بند ملا، باری باری محمود، فاروق اور فرزانہ کے نمبر ڈائل کیے... ان کے فون بھی
بند ملے... تنگ آ کر انہوں نے پروفیسر داؤد اور خان رحمان کے نمبر آزما
ڈالے... وہ بھی بند تھے... اب تو وہ پریشان ہو گئے... کیونکہ کسی وقت بھی
صدر صاحب اپنے احکامات کی تعمیل کے سلسلے میں پوچھنے والے تھے...

انہوں نے اِدھر اُدھر فون شروع کیے... لیکن ان کا کوئی پتا نہ
چلا... اچانک انہیں اکرام کا خیال آیا... اس سے تو انہوں پوچھا ہی نہیں
تھا... انہوں اس کے نمبر ڈائل کیے... اور بولے۔

''اکرام... اس وقت انسپکٹر جمشید کہاں ہیں۔''

''سر! معاف کیجیے گا... آپ نے میری ڈیوٹی میاں باٹلی والا کی کوٹھی
پر لگائی ہوئی ہے۔''

''اوہ ہاں... واقعی۔'' انہوں نے گھبرا کہا۔

''پھر بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں۔''

''تب پھر سنو! تم باٹلی والا کے ہاں چلے آؤ... اور یہ جاننے کی سرتوڑ
کوشش شروع کر دو کہ انسپکٹر جمشید کہاں ہیں... جہاں بھی ملیں، میرا پیغام انہیں
دو کہ وہ فوری طور مجھ سے فون پر رابطہ کریں۔''

''جی اچھا...'' اکرام نے کہا اور انہوں نے فون بند کر دیا۔

اس وقت ان کے فون کی گھنٹی بجی... انہوں نے دیکھ لیا کہ فون
صدر صاحب کا ہے... اب تو وہ پریشان ہو گئے... آخر ایسی بھی کیا
جلدی... ابھی ابھی تو حکم دیا ہے... خیر... فون تو انہیں سننا پڑا۔ ان کی
آواز سنتے ہی صدر صاحب بولے:

''کیا رہا... آپ نے فون پر اطلاع کیوں نہیں دی۔''

''میں اس وقت سے انسپکٹر جمشید کی تلاش میں ہوں سر... ان کا کہیں
پتا نہیں... سب کے موبائل بند ہیں۔''

''حیرت ہے... کمال ہے... خیر آپ ان کی تلاش جاری
رکھیں۔ ان کی معطلی کی خبریں اخبارات میں لگوا دیں اور ساتھ ہی ان کی ان کی
گرفتاری کے وارنٹ جاری کرا دیں۔''

''بہت بہتر سر۔'' وہ فوراً بولے۔

دوسرے دن کے اخبارات میں یہ خبریں موجود تھیں... انہوں

نے خبریں پڑھیں... اپنی گرفتاری کے احکامات بھی پڑھے اور مسکرا دیے... وہ
اس وقت شکر پور کے ایک ہوٹل میں موجود تھے... انہوں نے اپنے حلیے تبدیل
کر لیے تھے، اور کوئی نزدیکی آدمی بھی انہیں پہچان نہیں سکتا تھا... ہوش میں آنے
کے بعد شادے نے جب ہاٹلی والا سے فون پر رابطہ کیا تھا تو وہ دوسرے کمرے
میں بیٹھے ٹی وی سکرین پر اسے دیکھ بھی رہے تھے اور سن بھی رہے تھے... اندازہ
وہ پہلے ہی لگا چکے تھے کہ یہ ساری سازش انہیں شکر پور سے نکالنے کے لیے کی گئی
تھی... لہذا یہ بات سمجھ میں آتے ہی وہ بھلا دارالحکومت میں ٹھہر کر کیا کرتے،
اسی وقت شکر پور کے لیے روانہ ہو گئے تھے... اور جب تک آئی جی صاحب
پولیس کو احکامات جاری کرتے، وہ شکر پور پہنچ چکے تھے۔

''جمشید! یہاں جو ہونا تھا، وہ تو ہو بھی چکا... کیونکہ وہ تمہیں یہاں
سے چند گھنٹوں کے لیے ہٹانا چاہتے تھے... اور بس... گویا انہیں جو کچھ کرنا
تھا وہ انہی چند گھنٹوں میں کرنا تھا... لہذا کھیل تو اب ختم ہو چکا ہے... اب ہم یہا
ں کیا کریں گے۔''

''یہ تو معلوم کرنا ہوگا کہ یہ سب چکر کیا تھا... مجھے یہاں سے ہٹا کر
انہوں نے کیا کیا ہے... ایسا لگتا ہے... یہاں کوئی خوفناک کام ہوا ہے...
سوال یہ ہے کہ وہ کام کیا تھا...''

''بھلا ہم کس طرح بتا سکتے ہیں... غیب کا علم تو ہمیں ہے
نہیں۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''صبح سے ہم اس قصبے کا بغور جائزہ لیں گے... دیکھنا یہ ہے کہ ہم
میں سے کون سب سے پہلے اس بات کو بھانپتا ہے جو یہاں ہو چکی ہے۔'' وہ
مسکرائے۔

''میرا خیال ہے جمشید یہ کام مشکل ترین ثابت ہوگا...'' پروفیسر
داؤد بولے۔

''اوہو... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔'' ایسے میں انسپکٹر جمشید کے منہ
سے مارے حیرت کے نکلا۔

انہوں نے دیکھا وہ ہوٹل کے صدر دروازے کی طرف دیکھ
رہے تھے... اس وقت وہ ہوٹل کے ہال میں بیٹھے تھے... اور یہ وقت تھا ان کی
شام کی چائے کا... انہوں نے دیکھا... ہوٹل کے دروازے سے ایک بہت
خوفناک شکل صورت کا آدمی اندر آیا تھا... اس کا حلیہ بھی عجیب سا تھا... اس کی
تھوڑی پر ایک گہرا زخم تھا... اس طرح وہ تھوڑی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی
تھی... اور چہرہ زیادہ ہی خوفناک ہو گیا تھا۔

''کیا آپ اسے جانتے ہیں۔''

''ہاں! بہت اچھی طرح... یہ شادو ہے...''

انہوں نے دیکھا، شادو نے اندر آکر پورے ہال پر نظر ڈالی
تھی... اور پھر ایک کونے کی میز پر جا بیٹھا تھا۔

''یہ کون ہے... کیا ہے۔''

''ایک خطرناک جرائم پیشہ... اس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے
کہ یہ ہمارے دشمن ملک کے لیے کام کرتا ہے... لیکن آج تک یہ بات ثابت
نہیں کی جا سکی... شک کی بنیاد پر اسے کئی بار گرفتار کیا گیا... لیکن کچھ ثابت نہیں
کیا جا سکا... سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کیا کر رہا ہے... خیر... پہلے تو اس کی
نگرانی کے لیے کسی کو مقرر کر دیں۔''

اب انہوں نے خفیہ فورس سے انچارج کے نمبر ڈائل کیے...

اپنے ساتھ وہ دس خفیہ کارکن بھی اس قصبے میں لے آئے تھے... سلسلہ ملنے پر وہ بولے:

''ہوٹل الماس میں ابھی ابھی شادو داخل ہوا ہے... اس کی نگرانی مکمل طور پر شروع کر دو... اور مجھے ساتھ ساتھ رپورٹ دیتے رہنا...''

''بہت بہتر سر۔''

جونہی انہوں نے فون بند کیا، وہ ایک بار پھر زور سے چونکے... ان کے چہرے پر حیرت ہی حیرت چھا گئی۔

☆☆☆☆☆

راست اقدام

ہوٹل میں پانچ آدمی داخل ہوئے تھے۔ ان کے حلیے چھٹے ہوئے بدمعاشوں جیسے تھے۔ انسپکٹر جمشید انہیں دیکھ کر چونکے تھے:

''شش شاید آج چونکنے کا دن ہے... چلئے یہ بھی بتا دیں کہ آپ انہیں دیکھ کر کیوں چونکے ہیں۔''

''میں انہیں بھی اچھی طرح جانتا ہوں... یہ کاظم شاہ کے لیے کام کرتے ہیں۔'' انہوں نے دبی آواز میں کہا۔

''اور یہ کاظم شاہ کون صاحب ہیں... شاید ہم پہلی بار ان کا نام سن رہے ہیں۔''

''باٹلی والا کی مخالف سیاسی جماعت کا لیڈر... غالباً کاظم شاہ کو معلوم ہوا ہوگا کہ قصبہ شکر پور میں باٹلی والا کے آدمی خفیہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں تو اس نے بھی اپنے آدمی ادھر بھیج دیے... لیکن یہ کیا یہ تو شادو کی میز کی طرف جا رہے ہیں... تت... تو کیا... شادو اس وقت کاظم شاہ کے لیے کام کر رہا ہے... یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' ان کی آنکھوں میں اُلجھن نظر آنے لگی...

پانچوں دوستانہ انداز میں شادو کی میز کی کرسیاں گھسیٹ کر ان

پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے شادو کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی... اب انہیں اس بات میں شک نہیں رہ گیا کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں... اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شادو کاظم شاہ کے لیے کام کر رہا ہے جب کہ حقیقت میں شادو دشمن ملک کا آدمی تھا...

"ت... تو کیا... کاظم شاہ کی سیاسی جماعت دشمن ملک کے لیے کام کر رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"افسوس! یہاں اس وقت ضرور کچھ ہوا ہے... جب آپ کے یہاں اس شہر سے چلے جانے کی سازش کی گئی تھی... لل... لیکن..." فرزانہ کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"لیکن کیا۔" خان رحمان بے چینی کے عالم میں بولے۔

"لیکن یہ تو بہت عجیب بات ہو گئی... اس قصبے میں اگر کوئی کارروائی کی گئی ہے اور اس کارروائی کے سلسلے میں ان لوگوں نے سازش کر کے مجھے شہر جانے پر مجبور کر دیا تھا تو پھر یہ کام باٹلی والا نے کیوں کیا... یہ کام تو ان لوگوں کو لینا چاہیے تھا..."

"اُف مالک! شدید ترین الجھن محسوس ہو رہی ہے... چکر سمجھ میں نہیں آ رہا۔" پروفیسر داؤد بے چینی کی حالت میں بولے۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے... کیا ان دونوں جماعتوں کے لیڈران اندر سے ایک ہیں... اور بظاہر ایک دوسرے کے دشمن ہیں... ہوں... ضرور ایسا ہی ہے... اور اب دوستو... میں کچھ کچھ اندازہ لگا رہا ہوں کہ یہاں کیا ہوا ہے..."

"تب پھر بتائیں... کیا ہوا ہو گا۔" فرزانہ بولی۔

عین اسی لمحے انہوں نے شادو کو اٹھتے دیکھا... وہ پانچوں جوں کے توں بیٹھے رہے...

"شادو جا رہا ہے... خفیہ فورس اس کا تعاقب کرے گی... لہٰذا ہم ابھی یہیں ٹھہریں گے... تا کہ ان پانچوں کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا... انہوں نے سر ہلا دیے۔

اچانک وہ پانچوں اُٹھے... اور اندر کی طرف چلے...

"محمود... صرف تم ان کے پیچھے جاؤ... ضرورت محسوس کرو تو مس کال دے دینا... ہم بھی آ جائیں گے۔"

محمود نے سمجھ جانے والا انداز میں سر ہلایا اور چلا گیا... جلد ہی اس کی طرف سے مس کال ملی... وہ فوراً ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس سمت میں بڑھے... محمود انہیں ایک کمرے کے سامنے کھڑا نظر آیا:

"وہ اس کمرے میں داخل ہوئے ہیں... اندر کافی ہنگامے کی آوازیں آ رہی تھیں... اب رک گئی ہیں... اسی لیے میں نے آپ کو مس کال دی تھی۔

"اوہ اچھا۔"

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی... دروازہ کھل گیا... فرش پر انہیں ایک آدمی اوندھے منہ پڑا نظر آیا... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... اندر داخل ہو گئے، ادھر وہ اندر داخل ہوئے... ادھر دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔ وہ چونک کر دروازے کی طرف مڑے:

"ارے! یہ دروازہ کس نے بند کر دیا؟" پروفیسر داؤد کے منہ سے

''کالے چور نے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''حیرت ہے... کالا چور یہاں کہاں سے آ گیا۔'' فاروق بول اٹھا۔

وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ اب وہ اس اوندھے منہ آدمی کی طرف مڑے، انسپکٹر جمشید اس پر جھکتے ہوئے بولے:

''کیا ہوا بھائی... خیر تو ہے۔''

اس نے کوئی جواب نہ دیا... اب تو وہ پریشان ہو گئے... کندھے سے پکڑ کر اسے ہلایا تو وہ پہلو کے بل لڑھک گیا... ساتھ ہی ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا:

''ارے باپ رے۔''

وہ جو کوئی بھی تھا... مر چکا تھا... اس کی آنکھیں اور زبان باہر کو نکلی ہوئی تھیں... گویا اس کا گلا گھونٹا گیا تھا... اور پھر اوندھا لٹا دیا گیا تھا۔

''یہ... یہ کون ہے؟'' خان رحمان ہکلائے۔

''پ... پتا نہیں... میں نے تو ان پانچوں کو اندر داخل ہوتے دیکھا تھا... ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا تھا... تاہم میں نے لاک لگنے کی آواز نہیں سنی تھی۔ سو میں نے آپ کو مس کال دے دی... '' محمود نے جلدی جلدی کہا۔

''لیکن وہ پانچوں کمرے میں نہیں ہیں... نہ اس کمرے میں ایسے کوئی آثار موجود ہیں جیسے اس کمرے میں ہم سے پہلے پانچ آدمی داخل ہوئے تھے... کیونکہ فرش پر صرف ہمارے جوتوں کے نشانات نظر آ رہے ہیں... ان میں سے کسی کے جوتوں کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا اور کیا یہ بات عجیب نہیں۔'' انسپکٹر جمشید روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

''آپ کا مشاہدہ واقعی بہت تیز ہے... ہم نے ابھی تک یہ بات محسوس نہیں کی تھی... ظاہر ہے... وہ پانچوں اس کمرے کی سامنے والی دیوار میں موجود دروازے کے ذریعے نکل کر گئے ہیں...'' یہ کہہ کر محمود اس دروازے کی طرف بڑھا... لیکن وہ نہ کھلا... اب انہوں نے اس دروازے کو کھولنے کی کوشش کی... جس سے گزر کر وہ اندر آئے تھے... یہ دروازہ بھی نہ کھلا۔

''رہنے دو... کوشش فضول ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

''جی کیا مطلب؟''

''وہ پانچوں اس طرف سے داخل ہوئے... اور اس طرف سے نکل گئے... پتا نہیں یہ شخص پہلے سے یہاں مردہ پڑا تھا... یا وہ پانچوں اسے ہلاک کر کے نکل گئے تھے... ابھی وہ اسی الجھن میں تھے کہ دروازہ زوردار انداز میں کھلا... اور پھر کچھ لوگوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

''خبردار! تم لوگ حرکت نہیں کرو گے......''

''آپ کی بات کا جواب دینے کے لیے کم از کم زبان کو تو حرکت دینا پڑے گی... '' فاروق نے منہ بنایا۔

''لاش تو یہاں واقعی موجود ہے... اس کا مطلب ہے... فون کرنے والے نے غلط نہیں کہا تھا۔''

''کیا مطلب... کس نے فون کیا تھا آپ کو۔'' انسپکٹر جمشید نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

''کسی نامعلوم آدمی نے فون پر اطلاع دی تھی کہ ہوٹل الماس کے کمرہ نمبر 203 میں کچھ لوگ ایک شخص کو مارے ڈال رہے ہیں... میں نے موقع پا کر دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے... سو آپ چلے آئیں... بس پہنچ گئے... لہٰذا ہم

یہاں آگئے... اور ہم دیکھ رہے ہیں، فون کرنے والے کا بیان بالکل درست تھا... یہاں واقعی ایک لاش موجود ہے... اور قاتل بھی موجود ہیں... گرفتار کرلو انہیں۔"

"آپ اپنی بات کو ثابت نہیں کرسکتے... بلکہ ہم اس بات کو بخوبی ثابت کرسکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب... آپ کیا ثابت کرسکتے ہیں؟"

"یہ کہ یہ قتل ہم نے نہیں کیا۔"

"تم لوگ رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہو... لہٰذا ہم تمہاری یہ بات کس طرح مان لیں۔"

"ماننا پڑے گی... عدالت بھی اس بات کو مانے گی اور ہمیں باعزت بری کرے گی۔"

"جی نہیں! میرے ہوتے ہوئے، یہ کس طرح ہوسکتا ہے... آپ کو جو کچھ کہنا ہے... عدالت میں جاکر کہیے گا... اس وقت نہیں۔"

پھر ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں... وہ ان کے مقابلے کر بھی کیا سکتے تھے... پھر انہیں حوالات لایا گیا... پولیس انسپکٹر نے نفرت زدہ انداز میں اپنے ماتحتوں سے کہا:

"ان سے ان کا جرم اگلواؤ... آج رات کی مہلت ہے... صبح تک ان لوگوں نے اپنا جرم قبول نہ کیا تو جواب دینے کے لیے تیار رہنا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ان کے تو بڑے بھی اپنا جرم قبول کریں گے... یہ تو ہیں کس کھیت کی مولیاں۔"

"شاباش منیر بہادر... مجھے تم سے یہی امید ہے... اور ہاں، ان

میں سے کوئی مرجائے تو بھی پروا نہ کرنا... میں دیکھ لوں گا۔"

"دیکھ تو آپ اب بھی رہے ہیں... اس سے زیادہ کیا دیکھیں گے... آپ کی آنکھیں دو سے چار تو ہو نہیں جائیں گی۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"سنا تم نے... یہ مجھ سے کس انداز میں بات کر رہے ہیں..." پولیس انسپکٹر نے تلملا کر کہا۔

"آپ فکر نہ کریں سر! یہ ایک ہی رات میں سب کچھ بھول جائیں گے اور اپنے جرم کا فرفر اقبال کریں گے۔" ماتحت نے ہنس کر کہا۔

"شاباش۔"

اور پھر انہیں حوالات میں بند کردیا گیا۔ ماتحت نے جاتے ہوئے کہا:

"رات کو تم سے دو دو باتیں ہوں گی۔"

"شاید نہ ہوسکیں... ہمیں ذرا جلدی ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا کہا... جلدی ہے... گویا یہاں سے جانا تمہارے بس میں ہے۔"

"جی ہاں بالکل... ویسے اگر آپ ضرور ہی ہم سے دو دو باتیں کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہم دو دو کیا چار چار باتیں کرنے کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"ضرور تم پاگل ہو... میں پاگلوں کی باتوں کا برا نہیں مانتا۔" ماتحت بولا۔

"جب ہماری دو دو باتیں ہوں گی، اس وقت پاگل پن کا بھی فیصلہ

ہو جائے گا۔" فاروق پھر بولا۔

"بس کرو... جانے دو انہیں، بُرا مان جائیں گے... اور بُرا مان جانے کی صورت میں تم سے مزید دو دو باتیں کرنے کی کوشش کریں گے..."

"جی اچھا! آپ کہتے ہیں تو جانے دیتا ہوں..." فاروق نے برا سامنہ بنایا۔

ماتحت بھی بڑے بڑے منہ بناتا چلا گیا... انہیں کھانا اور پانی بھی نہ دیا گیا... لیکن وہ اس قسم کے حالات کے عادی تھے... اور پروفیسر داؤد کی جیبوں میں میٹھی گولیوں کی شکل میں ایسی دوا موجود ہوتی تھی جس کے چوس لینے سے بھوک اور پیاس کا احساس کچھ وقت کے لیے ختم ہو جاتا تھا... پھر رات کے دو بجے حوالات کا دروازہ کھلا، ماتحت اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا... ان کے ہاتھوں میں ظلم وستم توڑنے کے خوفناک آلات تھے... ماتحت کے ہاتھ میں پستول تھا... اس نے اندر آتے ہی چیخ کر کہا:

"مارو انہیں۔"

وہ یک دم ان پر پل پڑے... لیکن ان کے آلات دیواروں سے ٹکرائے اور وہ الٹ الٹ کر گرے... یہ منظر ماتحت کے لیے حیران کن تھا... اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور پستول والا ہاتھ تن گیا۔

"نہیں چھوڑوں گا۔" وہ غرایا۔

"ہم نے کہا بھی نہیں... آپ ہمیں چھوڑ دیں... یہاں سے تو ہم اپنے بل بوتے پر جائیں گے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"اور کہیں کے بھی نہیں۔" فرزانہ نے ہانک لگائی۔

ادھر اس نے فائر کر دیا، گولی دیوار پر لگی... دیوار کا پلستر اکھڑ

گیا۔ اس نے نشانہ محمود کو بنایا تھا... وہ دوسری طرف کھڑا نظر آیا...

"ایک فائر اور۔" فرزانہ بولی۔

"تم لوگ اپنی موت کو دعوت دے چکے ہو۔" وہ پھنکارا۔

"اس اطلاع کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔" فاروق ہنسا۔

اس کا چہرہ اور سرخ ہو گیا... اس نے اندھا دھند فائرنگ کر کے اپنا پستول خالی کر دیا...

"اب اس پستول کو اپنے سر پر مار لیں۔"

اب تو اس کا منہ پھیل گیا... آنکھوں میں خوف دوڑ گیا... ادھر انسپکٹر جمشید تیر کی طرح دروازے پر آئے اور اس کو اندر سے بند کر دیا:

"اب آپ لوگ ہماری دو باتیں سنیں گے... آپ کی ہم سن چکے ہیں... ہم لوگ بے گناہ ہیں... قتل کی اس واردات سے ہمارا دور کا بھی واسطہ نہیں... یہ ہم لوگوں کے خلاف سازش تھی... اس کا ثبوت ہم کسی وقت ضرور دیں گے... ثبوت دے کر ہی اس قصبے سے جائیں گے... اب ہم جا رہے ہیں... اگر آپ نے اب بھی ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی تو پھر ہم آپ لوگوں کو سزا دیئے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے... اس وقت بھی آپ لوگوں کو کچھ کہے بغیر یا نقصان پہنچائے بغیر اگر ہم جا رہے ہیں تو صرف اس لیے کہ آپ قانون کے محافظ ہیں... اور قانون کے محافظوں پر ہاتھ اٹھانا ہماری عادت نہیں... ہم قانون کے محافظوں کا احترام کرتے ہیں... قصور آپ لوگوں کا بھی نہیں... آپ کے تھانے دار صاحب کا ہے... انہوں نے سوچا نہ سمجھا... ہمیں حوالات بھیج دیا اور جرم اگلوانے کا حکم دے دیا... ان سے کہہ دینا کہ انہیں تفتیش کرنے کے گر سیکھ لینے چاہئیں... پہلے یہ جائزہ لے لینا چاہیے کہ جسے ہم گرفتار کر

رہے ہیں... اس کے مجرم ہونے کے کتنے فی صد امکانات ہیں... مار پیٹ کرنے کا جواز بھی ہے یا نہیں... بلاوجہ مار پیٹ نہیں کرنی چاہیے... یہ تفتیش کا کوئی طریقہ نہیں..."

یہ کہتے ہوئے وہ حوالات سے باہر نکل آئے... ان کے ساتھی بھی باہر آگئے... حوالات کا دروزاہ انہوں نے باہر سے بند کر دیا... وہ سب بت بنے انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے... کسی میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ انہیں روکنے کی کوشش کرتا... تھانے کے احاطے میں ان کی گاڑی موجود تھی... ظاہر ہے... پولیس ان کی گاڑی بھی تھانے میں لائی تھی... چابی بھی اس میں لگی ہوئی تھی... وہ گاڑی میں سوار ہوگئے اور تھانے سے نکلتے ہی رفتار تیز کرتے چلے گئے...

"اب ہم کہاں جائیں گے جمشید... سارے قصبے کی پولیس اب تو ہماری تلاش میں نکل کھڑی ہوگی۔"

"اب ہم ایک بار پھر حلیے تبدیل کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن گاڑی کا حلیہ کیسے تبدیل کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ خان رحمان کی گاڑی ہے... کوئی مذاق نہیں... اس کا رنگ اور نمبر پلیٹ بھی تبدیل ہو سکتی ہے... اور ایسا ہونے میں کوئی دیر بھی نہیں لگے گی۔"

"لیکن ابا جان... کار کا ماڈل تو وہی رہے گا... اور میرا خیال ہے... ان لوگوں نے ہمیں... گاڑی اور ہماری تعداد اور مذکر اور مونث کی الگ الگ تعداد کی بنیاد پر پہچانا ہے۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ہاں! یہ سب باتیں میرے ذہن میں ہیں... تم فکر نہ کرو... ہم فی الحال جنگل کا رخ کر رہے ہیں... درختوں کے کسی جھنڈ میں ہم یہ ساری تبدیلی

عمل میں لائیں گے..."

جلد ہی وہ اپنے حلیے تبدیل کر رہے تھے... گاڑی انہوں نے وہیں چھوڑ دی... کیونکہ اس کی وجہ سے انہیں پہچانا جا سکتا تھا... پھر آبادی کے قریب پہنچ کر وہ دو پارٹیوں میں تقسیم ہوگئے... ہوٹل البتہ انہوں نے وہی تجویز کیا تھا... اس میں نئے سرے سے کمرے کرائے پر لینے کا پروگرام طے ہوا تھا...

دو گھنٹے بعد وہ ہوٹل الماس کے دو الگ الگ کمروں میں رہائش حاصل کر چکے تھے... اس رات انہوں نے آرام کا فیصلہ کیا... دوسرے دن صبح وہ ناشتے کے لیے ہال میں چلے آئے... انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ شادو بھی ہال میں موجود تھا اور اس کے پانچوں غنڈے بھی... یہ دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی... وہ ان سے کافی فاصلے پر بیٹھ گئے۔

"یہ لوگ پھر یہاں موجود ہیں... اس کا مطلب ہے، اس ہوٹل سے ان کا خاص تعلق ہے... اور اُس جرم کا بھی اس ہوٹل سے خاص تعلق ہے... سوال یہ ہے... وہ جرم کیا تھا... اور یہاں میری موجودگی میں سے یہ لوگ کیوں گھبرا رہے تھے... وہ شخص کون ہے... جس نے مجھے یہاں سے جانے پر مجبور کیا تھا... میرا خیال ہے... اب ہمیں براہ راست قدم اٹھانا پڑے گا۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں کہتے چلے گئے۔

"جی... براہ راست قدم... کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"بس دیکھتے جاؤ..."

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے:

"تم یہیں بیٹھے رہو... تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو۔"

"لل... لیکن... ابا جان... اس ہوٹل میں ہم تیل..."

انہوں نے فاروق کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی قدم اٹھا دیے... ان کا رخ شادو اور اس کے پانچ ساتھیوں کی میز کی طرف تھا... اور ہوٹل کا ہال اس وقت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا:

☆☆☆☆☆

پستول والا

"میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" ان کے نزدیک پہنچ کر وہ پرسکون آواز میں بولے۔

"کیا مطلب؟" شادو چونک کر بولا۔

"میں نے کہا ہے... کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔"

"ہال میں چند کرسیاں ابھی خالی ہیں... آپ کسی اور میز پر چلے جائیں... یہاں میرے کچھ اور دوست آنے والے ہیں۔"

"جونہی وہ آئیں گے... میں اٹھ جاؤں گا۔"

"اس طرح آپ کو پریشانی ہوگی... لہٰذا پہلے ہی کیوں نہ کہیں اور بیٹھ جائیں۔"

"نہیں... مجھے یہیں بیٹھنا پڑ رہا ہے... دراصل میں آپ سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب... آپ مجھ سے چند باتیں پوچھنا چاہتے ہیں..." اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں! بالکل۔"

"آپ ہیں کون ہیں؟"

"میں عبداللہ ہوں..."

"میں آپ کو نہیں جانتا... آپ مجھے کیسے جانتے ہیں۔"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں... میں یہاں بیٹھ کر آپ سے چند باتیں کروں گا۔"

"اچھی بات ہے... تشریف رکھیے۔" اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے ساتھیوں کو کچھ اشارہ کیا... ان میں سے دو اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر ایک نے ان کے پہلو میں کوئی نوک دار چیز رکھتے ہوئے کہا:

"مسٹر! یہ جو چیز آپ کی پسلیوں سے چبھ رہی ہے... یہ بے آواز پستول ہے... اگر میں ٹریگر دبا دوں تو آپ کی لاش یہیں ڈھیر نظر آئے گی..."

"نن... نہیں..." وہ لرز کر بولے۔

"اب چپ چاپ صدر دروازے کی طرف چلو... میں دوستانہ انداز میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں... میری جیب میں موجود پستول کے ٹریگر پر میری انگلی موجود ہے... اور نال تمہاری پسلیوں سے چھو رہی ہے... ذرا بھی حرکت کی تو میں کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔"

"ج... جی اچھا... آپ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہیں... کم از کم اتنا تو بتا دیں۔"

"باہر نکل کر بتاؤں گا... کیوں چیف۔" اس نے شادو کی طرف دیکھا۔

"ہاں! ایسوں کا یہی علاج ہے۔" شادو نے سر ہلا دیا۔

وہ انہیں لیے باہر کی طرف بڑھا... انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ دیا کہ وہ ہال میں بیٹھے رہیں۔

وہ دونوں انہیں ہوٹل سے باہر لے آئے... اب ان کا رخ ایک کار کی طرف تھا... نزدیک پہنچ کر وہ بولا جس نے ان کی پسلیوں سے پستول لگا رکھا تھا:

"بیٹھو اندر... پچھلی سیٹ پر۔"

"پ... پروگرام کیا ہے۔"

"تمہیں اپنے خاص ٹھکانے پر لے جائیں گے... وہاں تم سے پوچھیں گے... تم کون ہو۔"

"یہ تو میں یہیں بتا دیتا ہوں۔"

"نہیں... یہاں نہیں... اب بس... چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئے... پستول والا ان کے ساتھ بیٹھ گیا... دوسرے نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی... پھر کار چل پڑی... دس منٹ کے سفر کے بعد کار جنگل میں داخل ہوئی اور پھر درختوں سے ڈھکی ایک عمارت کے دروازے پر پہنچ کر رک گئی... عمارت کا دروازہ لوہے کا تھا اور بہت بڑا تھا... اگلے نے کار سے اتر کر دروازے پر زوردار انداز میں تین بار دستک دی... اور آ کر کار میں بیٹھ گیا... ایک منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا... کار اندر داخل ہو گئی... کار پختہ سڑک پر چل رہی تھی... یہاں تک کہ ایک برآمدے میں آ کر رک گئی۔

"اترو نیچے... تمہاری امتحان گاہ آ گئی... یہاں تم بتاؤ گے... تم کون ہو۔" پستول والا بولا۔

"میں تو وہاں بھی بتانے کے لیے تیار تھا۔" وہ مسکرائے۔

"وہاں کیا خاک مزہ آتا... چلو اندر۔"

اب وہ انہیں ایک ہال نما کمرے میں لے آئے... اس کمرے میں عجیب وغریب آلات تھے۔

"اس کمرے میں لوگ فرفر بولنے لگتے ہیں... پہلے تم سے نرمی سے پوچھتا ہوں۔تم کون ہو۔"

"میں وہ ہوں گابے... جس کا نام تمہارے ہوش اڑا دے گا۔"

"کک... کیا۔" وہ بہت زور سے اچھلا... آنکھوں میں خوف دوڑ گیا... پھر اس نے خود سنبھال لیا... اور پھنکارتی ہوئی آواز میں بولا:

"تم کون ہو۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کا پستول ان کے سینے پر کی طرف تن گیا۔

"جانے دو... میرا نام نہ پوچھو... اپنا کام بتا دو۔"

"اپنا کام... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم یہاں اس قصبے میں کیا کر رہے ہو... تمہارا گرو شادو یہاں کیوں موجود ہے... اس قصبے میں آخر انسپکٹر جمشید کی موجودگی تمہارے لیے خطرے کی گھنٹی کیوں ہے..."

"تت... تم... تم میرا نام کیسے جانتے ہو۔"

"حیرت ہے، تم اب تک نہیں سمجھ سکے... بھلا وہ کون ہو سکتا ہے، جو تمہیں اس میک اپ میں بھی پہچانتا ہے۔"

"نن... نہیں... آپ... آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"بہت دیر لگائی پہچاننے میں..."

گابے کے ہاتھ سے پستول چھوٹ گیا... اس کے ساتھی کا رنگ

بھی اڑ گیا۔انہوں نے پستول اٹھا لیا اور ان کی طرف کرتے ہوئے بولے:

"اب تم موت کے دہانے پر آ کھڑے ہوئے ہو... صرف ایک صورت ہے تمہارے بچنے کی۔"

"اور... اور وہ کیا؟"

"فوراً یہ بتا دو... مجھے یہاں سے کیوں ہٹایا گیا تھا۔"

"یہ بات صرف شادو کو معلوم ہے..."

"اچھی بات ہے... شادو کو فون کرو کہ تم نے انسپکٹر جمشید کو قابو میں کر لیا ہے... لہٰذا فوراً یہاں پہنچ جاؤ... اگر تم نے اس کے علاوہ کچھ کہنے کی کوشش کی تو پھر تمہارا انجام برا ہوگا۔"

"وہ تو اب ویسے بھی ہوگا۔" اس نے منہ بنایا۔

"یہ ضروری نہیں... تم سرکاری گواہ بن کر فائدہ اٹھا سکتے ہو۔"

"اچھی بات ہے... میں فون کر دیتا ہوں... لیکن شادو کے یہاں آنے پر اگر پانسہ اس کے حق میں پلٹ گیا... تو پھر میں اس کا ساتھ دوں گا۔"

"تمہاری مرضی۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

اس نے موبائل پر شادو سے رابطہ کیا اور وہی جملے دہرا دیے... جو انہوں نے بتائے تھے... پھر دوسری طرف کا جواب سن کر اس نے فون بند کر دیا۔

"وہ آ رہا ہے..."

"ٹھیک ہے... تم دونوں کے حق میں بہتر یہ ہے کہ خود کو بندھوا لو... اس طرح تم اس کے ساتھی بھی رہ سکو گے... اگر پانسہ اس کے حق میں پلٹ گیا تو وہ تم پر شک نہیں کرے گا۔"

"ترکیب زبردست ہے۔" وہ خوش ہو گئے۔

وہاں رسی موجود تھی... انہوں نے ان دونوں کو مضبوطی سے باندھ دیا:

"یہ تو آپ نے کچھ زیادہ ہی رسی کس دی۔" گابا گھبرا کر بولا۔

"اگر ڈھیلی رسی باندھی جائے گی تو شادو شک میں مبتلا ہو جائے گا... لہٰذا صبر کرو۔"

دس منٹ بعد باہر گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی... پھر شادو اپنے باقی تین ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا... اسے اندر کوئی بھی نظر نہ آیا تو حیران ہوا اور بلند آواز میں بولا:

"ہیلو گابے... تم کہاں ہو، ہم آگئے ہیں... اوہ... تم شاید اندرونی کمرے میں ہو... مم... مگر کیوں..."

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے... اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا اور وہ تیزی سے اندرونی دروازے کی طرف بڑھا... ساتھ ہی اس نے اپنے تینوں ساتھیوں کو اشارہ کیا... انہوں نے دائیں بائیں پوزیشن لے لی... صرف شادو اس دروازے تک پہنچا... اور بولا:

"گابے... کیا تم اندر ہو۔"

اب بھی کوئی جواب نہ ملا... شادو خوف کے عالم میں پیچھے ہٹنے لگا... ایسے میں ایک فائر ہوا... اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا... فوراً ہی اس کے تینوں ساتھیوں نے سامنے کی طرف اندھا دھند فائر کیے... کئی گولیاں اندرونی کمرے میں چلی گئیں... اب شادو بھی پوزیشن لے چکا تھا...

"چیف... یہ ٹھکانے ہمارے لیے چوہے دان نہ بن جائے... ہمیں فوری طور پر باہر نکل کر پوزیشن لینی چاہیے۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

جونہی انہوں نے باہر قدم رکھے... باہر سے بھی ان پر فائرنگ ہوئی... لیکن یہ ہوائی فائرنگ تھی... گویا انہیں یہ بتایا گیا کہ ان کا دشمن باہر بھی موجود ہے... ایسے میں ایک آواز ابھری:

"تم لوگ پستول گرادو... ہاتھ بلند کرلو... تم ہمارے نشانے پر ہو... بہت آسانی سے ہم ڈھیر کر سکتے ہیں۔"

شادے کے ساتھیوں نے فوراً آواز کی سمت میں اندھا دھند فائرنگ کر دی... جواب میں ان پر بھی فائرنگ ہوئی۔ ساتھ ہی اس آواز نے کہا:

"کوئی فائدہ نہیں... نقصان میں رہو گے... پستول گرادو۔"

انہوں نے اب بھی پستول نہ گرائے... اور اپنی جگہ تبدیل کرتے ہوئے فائرنگ جاری رکھی... لیکن آخر کب تک... ان کی گولیاں ختم ہو گئیں... اور جب وہ جواب میں فائرنگ نہ کر سکے... تو ان پر چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگی... آواز ایک بار پھر ابھری:

"ہم چاہیں تو تمہیں نشانہ بنا سکتے ہیں... اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب ہم تمہارے ایک ساتھی کے کان کی لو اڑا رہے ہیں..."

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ایک ساتھی کے کان کی لو اڑ گئی۔ اس کے منہ سے دل دوز چیخ نکل گئی... ساتھ ہی آواز پھر آئی:

"اب بھی وقت ہے... پستول گرادو اور ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے

سامنے آجاؤ..."

چند سیکنڈ بعد شادو اور اس کے تینوں ساتھی سامنے آگئے... انہوں نے پستول گرادیے... اور ہاتھ اوپر اٹھادیے...

"یہ ہوئی نابات۔" چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

پھر سامنے سے انسپکٹر جمشید اور باہر سے ان کے ساتھی اندر آگئے۔ شادو اور اس کے تینوں ساتھیوں کو بھی باندھ لیا گیا۔

"ہاں مسٹر شادو... اب ہو جائیں دو دو باتیں... یہ چکر کیا ہے، اس قصبے میں آخر ہو کیا رہا ہے... اور اگر میں یہاں آگیا تھا تو مجھے فوراً یہاں سے نکالنے کی منصوبہ بندی کیوں کی گئی.." انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"تو آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔" شادو مسکرایا۔

"ہاں! اللہ کی مہربانی سے۔"

"تب پھر ایک بات جان لیں... آپ مجھ سے کبھی بھی یہ نہیں اگلوا سکیں گے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے... آپ کو قصبے سے باہر بھجوانے کی منصوبہ بندی کیوں کی گئی..."

"اچھا! تم اتنے سخت ہو۔"

"سخت تو خیر میں ہوں... لیکن مجھ تک یہ اطلاعات آچکی ہیں کہ آپ کو معطل کر دیا گیا ہے... لہٰذا آپ قانون کی تو کوئی مدد حاصل نہیں کر سکیں گے... بلکہ قانون تو الٹا آپ کو گرفتار کرے گا... کیونکہ آپ ایسا کس قانون کے تحت یہ سب کرتے پھر رہے ہیں۔"

"میں قانون کو جواب دے لوں گا... تم اپنی خیر مناؤ... یہ لو میں تمہارے کان کی بھی ایک لو اڑا رہا ہوں... اگر لو کو بچانا چاہتے ہو تو پھر اصل

بات بتادو۔"

"یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا...... انسپکٹر بہت دیکھے ہیں تم جیسے......"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ایک کان کی لو اڑ گئی۔ وہ بھی چیخ پڑا......

"جلدی بولو... کیا کہتے ہو... ورنہ دوسری لو بھی گئی۔"

"ایک ایک زیادتی کا بدلہ دینا ہوگا انسپکٹر جمشید۔" اس نے گہرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم اپنی بات کرو۔"

"نہیں بتاؤں گا۔"

اس کے ساتھ ہی اس کے دوسرے کان کی لو بھی اڑ گئی۔

"ہاں! اب کیا کہتے ہو؟"

"تم ہمیں جان سے مار ڈالو انسپکٹر بتائیں گے ہم پھر بھی نہیں... کیونکہ اگر ہم یہ بات بتا دیتے ہیں... تو ہم کسی کام کے نہیں رہ جاتے... اور ہم ہی کیا... باٹلی والا بھی کام سے جائے گا... جب کہ اس وقت پورے ملک میں باٹلی والا کی واہ واہ ہو رہی ہے... بہت جلد ہونے والے انتخابات میں اس کی پارٹی کی کامیابی سو فیصد یقینی ہے... لہٰذا وہ تو اس ملک کا سربراہ بننے والا ہے... مستقبل کا حکمران... پھر تم کہاں ہو گے... یہ سوچ لو... میرا مشورہ ہے... ہم لوگوں کو ہسپتال پہنچا کر خود کو قانون کے حوالے کر دو... یہی تمہارے حق میں بہتر ہے... اس صورت میں شاید تم کچھ سزا کاٹ کر رہا ہو جاؤ گے... دوسری صورت میں تم نہیں بچ سکو گے انسپکٹر... یہ بات لکھ لو... اور پھر..." وہ کہتے کہتے [illegible] گیا۔"

"بالی والا تو خود یہاں آنے والے ہیں... میں نے انہیں سارے حالات کی خبر دی تھی۔ وہ پوری پولیس فورس کے ساتھ کسی بھی لمحے یہاں آنے والے ہیں... ان کے پاس تمہاری فوری گرفتاری کے احکامات بھی ہوں گے... لہٰذا تم تو اپنی خیر مناؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی بہت سی گاڑیوں کی آوازیں اور ہارن سنائی دینے لگے۔ آوازیں ابھی دور کی تھیں... تاہم ان کو سنتے ہی شادو چہک کر بولا:

"لو انسپکٹر جمشید... وہ آگئے... اب تم گئے کام سے۔"

☆☆☆☆☆

نہیں جناب!

"اب... اب کیا ہوگا جمشید۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"مارے گئے۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"ارے باپ رے... بھاگ چلیے ابا جان۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"بلکہ دم دبا کر بھاگیے۔" فاروق بول اٹھا۔

"جدھر جدھر جس کے سینگ سمائیں... چلے جائیں۔" فرزانہ بولی۔

"مجھے افسوس ہے... نہ تو ہمارے دم ہے اور نہ سینگ... لہٰذا مجبوری ہے... ہم بھاگ نہیں سکتے... ویسے کیا آپ واقعی بھاگنا چاہتے ہیں... اگر ایسا ہے... تو ابھی پولیس بہت دور ہے... اور آپ کے لیے بھاگنے کے لیے کافی وقت ہے... لہٰذا آپ جا سکتے ہیں۔"

"ارے ارے... جمشید... تم تو ہماری بات کو سچ سمجھ گئے۔" خان رحمان گھبرا گئے۔

"توبہ کریں جی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"توبہ... توبہ۔" وہ لگے کانوں کو ہاتھ لگانے۔

"یہ آپ کیا کرنے لگے..." فاروق حیران ہو کر بولا۔

"توبہ کرنے لگا ہوں... آپ نے ہی تو کہا ہے... توبہ کریں توبہ۔"

"دھت تیرے کی... اب شادو اور اس کے ساتھیوں کو خوش ہونے کا اتنا موقع بھی نہ دیں۔"

"بات واقعی ٹھیک ہے... خیر... حرکت میں آ جاؤ۔"

"جی... کیا کہا... حرکت میں آ جاؤ... لیکن کون سی حرکت میں آ جائیں۔"

"اس حرکت میں... جس میں برکت ہے۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"آپ آج زیادہ ہی مذاق کے موڈ میں ہیں..."

"اور جب میں زیادہ مذاق کے موڈ میں ہوتا ہوں... اس وقت کوئی خاص بات ضرور ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ خاص بات کیا ہے... ہم... مگر نہیں... پہلے ان لوگوں کے منہ کسی کپڑے سے بند کر دینے چاہئیں... ان لوگوں کے آنے سے پہلے پہلے... اس لیے میں نے کہا تھا... حرکت میں آ جاؤ۔"

وہ حرکت میں آ گئے... جلدی جلدی ان کے منہ بند کر دیے گئے... تاکہ بول نہ سکیں... اور پھر انہوں نے بہت سی گاڑیوں کا شور صاف سنا... شور رکا تو بھاگ دوڑ کی آوازیں آنے لگیں...

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے... یہاں لوگ پوزیشن سنبھال رہے ہیں... ہمیں گرفتار جو کرنا ہے، عمارت کو مکمل طور پر گھیرے میں لے رہے ہیں... گھیرے میں لینے کے بعد ہمیں حکم دیا جائے گا کہ ہم ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے عمارت سے باہر آ جائیں... ورنہ عمارت کو اڑا دیا جائے گا۔"

"واہ... عمارت کے ساتھ ہمیں بھی اڑنے کا تجربہ ہو جائے گا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اب کیا ہو گا۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"وہی ہو گا... جو منظورِ خدا ہو گا۔" فرزانہ فوراً بولی۔

پھر چند منٹ بعد آواز ابھری:

"عمارت کو چاروں طرف سے گھیرا جا چکا ہے... لہٰذا تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر نکل آؤ... اگر نہ نکلے تو عمارت کو بم سے اڑا دیا جائے گا۔"

"یہاں ہمارے ساتھ شادو اور اس کے پانچ ساتھی بھی ہیں... کیا ہیں بھی اڑا دو گے۔"

"تم لوگوں کو ختم کرنے کے لیے اگر انہیں اڑانا پڑا تو ہم کوئی پروا یں کریں گے۔"

"اوہ اچھا... ہمیں چند منٹ کی مہلت دی جائے۔" انسپکٹر جمشید نے د آواز میں کہا۔

"پانچ منٹ کی مہلت دی جاتی ہے... پانچ منٹ بعد اگر تم باہر نہ ے تو بم گرا دیا جائے گا۔"

"شکریہ... ہمارے لیے پانچ منٹ کی مہلت بہت کافی ہے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید شادو پر جھک گئے...

"تم نے سنا... جس کے لیے تم کام کر رہے ہو، اسے تمہاری زندگی وت سے کوئی غرض نہیں... اسے تو بس اپنا کام نکالنا ہے... لہٰذا اب تم فوراً بات بتا دو... اس صورت میں تم بچ سکتے ہو۔"

"میں اسے جانتا ہوں... وہ اپنا کام نکالنے کے لیے اپنے باپ کو بھی

موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ لہٰذا، مجھے کوئی پروا نہیں... آپ اگر عمارت پر بم گروانا چاہتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

''اچھی بات ہے... اب تمہاری باقی زندگی بھی باٹلی والا کے ساتھ جیل میں گزرے گی...''

''آپ شاید اپنے ہوش میں نہیں ہیں... باٹلی والا کو اس دور میں کوئی جیل نہیں بھجوا سکتا...'' شادو نے برا سا منہ بنایا۔

''وہ میں ہوں... جو اسے جیل بھجواؤں گا... اچھا بس... اب چپ رہو... میرا خیال تھا... تم عقل سے کام لو گے... اور ساری بات بتا دو گے... لیکن تم میں عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے...''

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا:

''ہم ہاتھ اوپر اٹھائے باہر آ رہے ہیں... رہ گئے شادو اور اس کے ساتھی... وہ رسیوں سے بندھے ہوئے ہیں... آپ کہتے ہیں تو ان کی رسیاں کھول دی جائیں... تاکہ ہمارے ساتھ وہ بھی باہر آ جائیں۔''

''ٹھیک ہے... ایسا کر لو۔''

اور پھر وہ باہر نکل آئے... چاروں طرف پولیس ہی پولیس نظر آئی... ان سے آگے باٹلی والا کھڑا تھا...

''حیرت ہے مسٹر بالٹی والا... آپ خود بھی یہاں چلے آئے... اتنی پولیس کیا ناکافی تھی۔'' فاروق نے حیرت کے عالم میں کہا۔

''کیا کہا۔'' باٹلی والا دھاڑا۔

''میں نے کہا ہے... آپ خود بھی یہاں چلے آئے ہیں... اتنی پولیس کیا ناکافی تھی۔''

''اس سے پہلے کیا کہا تھا۔'' وہ گرجا۔

''اوہ ہاں میرے منہ سے شاید بالٹی والا نکل گیا تھا... معاف کیجیے گا... زبان پھسل گئی ہوگی... یہ عام طور پر پھسلتی رہتی ہے۔''

''اس زبان کو کاٹ دیا جائے گا... بے فکر رہو... بلکہ یہیں سب کے سامنے کاٹ ڈالا جائے گا۔ پکڑ لو... اسے اور زمین پر لٹا کر زبان کاٹ لو۔''

''ارے... ارے... بب بالٹی... مم... میرا مطلب ہے... باٹلی والا صاحب... غلطی ہو گئی... بچہ ہے... معاف کر دیں... زبان نہ کاٹیں... اس بے چارے کے پاس تو لے دے کے بس ایک زبان ہی ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا... ساتھ میں وہ باٹلی والا کی طرف بڑھے بھی تھے۔

''نہیں! اس کی زبان ضرور کاٹی جائے گی۔''

''تب پھر۔'' محمود نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

''تب پھر کیا؟''

''ہم بھی کی زبانیں کاٹ دیں... تاکہ ہم زبان کٹے تو کہلا سکیں۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''کک... کیا کہا زبان کٹے۔'' فاروق نے جلدی سے کہا۔

''ہاں! یہی کہا ہے... تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔'' محمود نے اسے گھورا۔

''اس سے یہ ہوتا ہے کہ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''حد ہو گئی... توبہ ہے تم سے... نہ موقع دیکھتے ہو نہ محل...'' فرزانہ جھلا اٹھی۔

"موقع تو میں خود دیکھ لوں گا، محل تم دکھا دو یہاں۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"ٹھیک ہے... اب تم سب کی زبانیں کاٹیں جائیں گی۔" باٹلی والا غرایا۔

"تب پھر باٹلی والا صاحب... میری ایک درخواست ہے۔"

"پھروہی... میرا نام باٹلی والا ہے۔" وہ دھاڑا۔

"کم از کم اتنی زور سے نہ بولیں... ہم ذرا کمزور واقع ہوتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کانپ گئے۔ ساتھ میں لڑکھڑائے بھی اور پھر تو وہ گر ہی پڑے... گر کیا پڑے... گرنے کے ساتھ لڑھک بھی پڑے... اور اس طرح وہ باٹلی والا کے بالکل قریب پہنچ گئے... ان کا دایاں پاؤں اس کی پنڈلی سے جا ٹکرایا... وہ دھڑام سے گرا، ادھر وہ گرا، ادھر انسپکٹر جمشید بجلی کی تیزی سے حرکت میں آ گئے اور انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر مروڑ دیا، ساتھ ہی دوسرا ہاتھ گردن کے گرد کس دیا اور یہ ان کا مخصوص انداز تھا... اس طریقے سے وہ بڑے بڑے طاقتور مجرم کو بالکل بے بس کر دیتے تھے... اس حد تک بے بس کہ وہ ذرا بھی حرکت کرتا تو اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی تھی... اس حالت میں آنے والے کی جان پر بن جاتی تھی۔ اور یہی اس وقت باٹلی والا کے ساتھ ہوا۔ اس کی جان پر بن گئی۔ دنیا گھومتی محسوس ہوئی... ادھر انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے:

"خبردار! کوئی باٹلی والا کو چھڑانے کی کوشش نہ کرے... کیونکہ جونہی میرے جسم کو معمولی سی بھی حرکت ہوگی... باٹلی والا کی گردن ٹوٹ جائے گی... اگر میری بات پر یقین نہیں تو پھر اس سے پوچھ کر دیکھ لو۔"

"ہاں... ہاں... یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں... خبردار آگے نہ بڑھنا...

باٹلی والا نے بہت مشکل سے حلق سے آواز نکالی... ساتھ ہی اس نے کہا:

"انسپکٹر جمشید... آپ مجھے چھوڑ دیں... میں وعدہ کرتا ہوں... آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی... اور آپ اپنی ملازمت پر بھی بحال ہو جائیں گے۔"

"وہ تو میرے خلاف کارروائی ویسے بھی نہیں ہوگی... اور میں اپنی ملازمت پر بھی جب چاہوں گا، بحال ہو جاؤں گا... بات تو تمہاری ہے... میں تم سے بالکل کوئی وعدہ نہیں کر سکتا... جو عدالت فیصلہ کرے... اسی پر عمل ہو گا۔"

"عدالت... فیصلہ... کیا مطلب... تم مجھ پر مقدمہ چلاؤ گے... گھاس کھا گئے ہو انسپکٹر... تمہاری سنے گا کون... ابھی مجھے چھوڑ کر دیکھ لو... میں یہاں کس کس کو نہیں بلا لیتا۔"

"اچھا... یہ بات ہے... خیر... میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں... لیکن اپنے آدمیوں سے کہو... ہتھیار پھینک دیں... ہاتھ اوپر اٹھا دیں..."

"ٹھیک ہے... ہتھیار گرا دو... اور ہاتھ اٹھا دو۔"

اس کے آدمیوں نے فوراً تعمیل کی... انسپکٹر جمشید کی ہدایت پر خفیہ فورس نے ان سب کو گرفتار کر لیا... اب انسپکٹر جمشید نے باٹلی والا کی تلاشی لینے کا حکم دیا... اسی حالت میں اس کی تلاشی لی گئی... اس کے پستول اور دوسری چیزوں پر قبضہ کر لیا گیا... تب کہیں جا کر انسپکٹر جمشید نے اسے چھوڑا۔ کچھ دیر تو وہ اپنے اعضا کو حرکت دیتا رہا... گردن کو مسلتا رہا... پھر بولا:

"مجھے موبائل دیں..."

"تم نمبر بتاؤ... میں خود ڈائل کر کے موبائل تمہارے منہ کے قریب

کردوں گا۔"

"اچھی بات ہے... یونہی سہی۔" یہ کہہ کر اس نے نمبر بتا دیے۔

"یہ کس کے نمبر ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وزیر اعلیٰ کے۔"

"میں وزیر اعلیٰ کے نمبرز سے واقف ہوں... یہ نمبر ان کا نہیں ہے۔" وہ مسکرائے۔

"یہ ان کے نئے موبائل کا نمبر ہے۔"

"پہلے سے جو ان کے نمبر ہیں... آپ ان میں سے کسی نمبر پر کیوں بات نہیں کر لیتے..."

"انھوں نے مجھے یہی نمبر دیا ہوا ہے۔"

"تب پھر میں خود کوئی نمبر ملا کر ان سے بات کرتا ہوں اور آپ کی بات کرا دیتا ہوں۔"

باٹلی والا کا رنگ اڑ گیا... اس نے جھلا کر کہا

"نہیں... جو نمبر میں بتا رہا ہوں... اسی کو ڈائل کریں۔"

"آپ اس وقت حکم دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔"

"بہت پچھتاؤ گے انسپکٹر جمشید۔" اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"کوئی پرواہ نہیں... پچھتا لوں گا۔"

"اچھی بات ہے... میری بات آپ خود وزیر اعلیٰ سے کرائیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" انھوں نے کہا اور اپنے موبائل پر نمبر ملانے لگے۔

"یہ... کیا کر رہے ہو جمشید... اسے وزیر اعلیٰ کی حمایت مل گئی تو ہم

ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جائیں گے۔"

"پروفیسر صاحب! انسپکٹر جمشید نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"ہاں کہو جمشید۔" پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔

"آپ بس تیل دیکھیں، تیل کی دھار دیکھیں۔"

"اچھا جمشید... تم کہتے ہو تو دیکھ لیں گے... لیکن یہاں تیل..." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

انسپکٹر جمشید مسکرائے... انھوں نے وزیر اعلیٰ کے نمبر ملائے... جلد ہی ان کی آواز سنائی دی...

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں سر۔"

"کیا مطلب... آپ کہاں ہیں... آپ کو تو معطل کیا جا چکا ہے... لہذا آپ اپنے نام کے ساتھ سابقہ انسپکٹر لگائیں۔" وہ شدید غصے کی حالت میں بولے۔

"اس وقت باٹلی والا میرے قبضے میں ہے اور وہ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا... یہ میں کیا سن رہا ہوں... اور یہ آپ کس لہجے میں باٹلی والا صاحب کے بارے میں بات کر رہے ہیں..."

"آپ نے میری بات سنی۔" انسپکٹر جمشید سرد لہجے میں بولے۔

"آپ ہوش میں تو ہیں۔"

میں نے کہا ہے... باٹلی والا میرے قبضے میں ہے... اور وہ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے... آپ اس سے بات کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں... ورنہ انکار کر دیں... باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

''آپ سے تو بعد میں ہی باتیں ہوں گی... میری ان سے بات کرائیں۔''

انہوں نے موبائل اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا:

''کامرانی صاحب: آپ فوراً یہاں آجائیں... ورنہ یہ انسپکٹر ہمیں جان سے مار دے گا...

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے کہا۔

''ہم اس وقت شکر پور میں ہیں...''

اس نے پھر وزیر اعلی کی بات سنی اور بولا۔

''آپ شکر پور میں شمالی سڑک پر آجائیں... سولہویں کلومیٹر پر ایک تنگ سڑک بائیں ہاتھ مڑتی ہے... بس اس سڑک پر آجائیں گے تو درختوں کے ایک بہت بڑے جھنڈ کے درمیان ایک عمارت ہے۔ میں وہیں ملوں گا اور یہ لوگ بھی۔'' وہ وزیر اعلی کی بات سننے لگا پھر بولا۔

''آپ ان سے بات کرلیں... اگر آپ ہم سب کو اپنے وزیر اعلی ہاؤس میں بلا کر بات کرنا پسند کرتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

جواب سن کر اس نے موبائل پھر انسپکٹر جمشید کو دے دیا... انھوں نے سنا، وزیر اعلی کہہ رہے تھے:

''آپ سب لوگ یہیں میرے پاس آجائیں۔''

''نہیں جناب۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''کیا نہیں جناب۔'' وزیر اعلی پھر تیز لہجے میں بولے۔

''ہم وہاں نہیں آسکتے... یہ معاملہ یہیں حل ہوگا... بلکہ آپ پسند

کریں تو کچھ تھوڑی سی فورس بھی لیتے آئیں... کہیں اس کی ضرورت نہ پیش آجائے۔''

''آپ... آپ کیا کہہ رہے ہیں... آپ اپنے ملک کی فورس کے خلاف ہتھیار اٹھائیں گے۔''

''وزیر اعلی گرجے۔

''میں نے یہ نہیں کہا... ہوسکتا ہے... آپ کے باٹلی والا ایسا کر گزریں۔''

آپ کا دماغ چل گیا ہے... باٹلی والا ایک محب وطن شہری ہیں، ملک کے کامیاب ترین سیاست دان ہیں... اور آنے والے انتخابات میں ان کی جماعت بھاری اکثریت سے جیتے گی... لہذا یہ تو ملک کے وزیر اعظم بننے والے ہیں... آپ اپنے بارے میں سوچ لیں... آپ اس وقت کہاں ہوں گے۔''

''مجھے اس انسپکٹری کا کوئی لالچ نہیں... یہ ملازمت میں تنخواہ کے لیے نہیں کرتا...''

''کیا!!! پہلی بار مارے حیرت وزیر اعلی کے منہ سے نکلا۔

''ہاں جناب! یہ کام ہم لوگ اپنے قومی اور ملکی جذبے کے تحت کرتے ہیں، نہ کہ تنخواہ کے لیے... اور میں جو یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہاں آ جائیں... اس کی بھی کوئی وجہ ہے... اگر نہیں آئیں گے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا... ہم اپنا کام تو پھر بھی کر گزریں گے۔''

''اچھی بات ہے... میں آرہا ہوں... اس بار ان کی آواز میں پہلے والی سختی نہیں تھی۔

''شکریہ۔''

اب انھوں نے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے... انہیں تھوڑی
سی صورتِ حال بتا کر وہاں آنے کی دعوت دی... یہ بھی بتایا کہ وزیر اعلیٰ بھی
آرہے ہیں... وہ بہت حیران ہوئے اور آخر انہوں نے کہا:

’’میں روانہ ہو رہا ہوں۔‘‘

ڈھائی گھنٹے بعد وزیر اعلیٰ اور آئی جی صاحب وہاں پہنچ گئے...
ان کے ساتھ اپنی اپنی فورس بھی تھی۔ پہلے تو انہوں نے آتے ہی فورس کو حکم دیا
کہ اس عمارت کے گرد گھیرا ڈال دیں... جب وہ یہ کام کر چکے... تب وزیر اعلیٰ
اور آئی جی صاحب عمارت میں داخل ہوئے... اندر کا منظر دیکھ کر وہ دھک سے
رہ گئے... شادو اور اس کے ساتھی وہاں بندھے پڑے تھے، جب کہ باٹلی والا
ایک کرسی پر بیٹھا تھا... اس کے سامنے دوسری کرسی پر انسپکٹر جمشید بیٹھے تھے...
ان کے ہاتھ میں ایک خوفناک پستول تھا... اس کی نال کا رخ باٹلی والا کے سینے
کی طرف تھا... باقی لوگ بھی کرسیوں پر بیٹھے تھے...

’’یہ... یہ سب کیا ہے۔‘‘

’’آپ دونوں حضرات بھی بیٹھ جائیں... پھر میں اپنی بات شروع
کرتا ہوں۔‘‘

’’نہیں... پہلے ہم باٹلی والا صاحب کی بات سنیں گے۔‘‘

’’آپ کی مرضی۔‘‘

وہ باٹلی والا کی طرف مڑے...

’’ہاں! بتائیں... یہ کیا معاملہ ہے۔‘‘

’’شادو اور اس کے ساتھی یہاں سیر کے لیے آئے ہوئے تھے...
آپ جانتے ہیں۔ یہ میرے خاص ملازم ہیں... ان کا فون مجھے ملا... کہ انسپکٹر

جمشید نے انہیں پکڑ لیا ہے۔ لہٰذا آپ فوراً یہاں آجائیں... لہٰذا میں
دارالحکومت سے یہاں چلا آیا... لیکن انسپکٹر جمشید نے مجھے بھی پستول کی زد پر
لے لیا... آپ ان سے پوچھیں... آخر ہمارا کیا جرم ہے۔‘‘ باٹلی والا یہاں
تک کہہ کر خاموش ہو گیا...

’’ہاں انسپکٹر جمشید!... اب آپ کہیں کیا کہنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’میں نے انہیں... یعنی شادو اور اس کے ساتھیوں کو ہوٹل الماس
میں دیکھا تو بہت حیران ہوا... کیونکہ یہ پرانے جرائم پیشہ لوگ ہیں... میں ان
سے بات کرنے کے لیے ان کی میز پر چلا گیا تو ان کے دو ساتھی پستول کے زور
پر مجھے یہاں لے آئے... پھر شادو بھی یہاں آگیا اور اس کا تعاقب کرتے
ہوئے میرے باقی ساتھی بھی یہیں آگئے...‘‘

’’اب باٹلی والا اور ساتھی...... آپ خود بتائیں... آپ لوگ مجھے
یہاں کیوں لائے تھے... یہ آپ لوگوں کا ٹھکانا ہے... نہ کہ میرا... کیا آپ
اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ یہ آپ ٹھکانا ہے۔‘‘

’’نہیں! یہ ہمارا ٹھکانا نہیں ہے۔‘‘ شادو بولا۔

’’گویا یہ میرا ٹھکانا ہے۔‘‘

’’بالکل۔‘‘ وہ ایک ساتھ بولے۔

’’اور آپ آج سے پہلے یہاں نہیں آئے۔‘‘

’’بالکل نہیں۔‘‘

’’بہت خوب! آپ نے سنا سر... ان کا کہنا ہے کہ یہ ٹھکانا ان کا
نہیں... میرا ہے... اس صورت میں یہاں ان کی انگلیوں کے نشانات نہیں
ہونے چاہئیں اور بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہونی چاہیے... جس سے یہ بات ثابت

ہو کہ یہ جگہ ان لوگوں کی نہیں... میری ہے... کیا خیال ہے... یہی بات ہے
نا۔"

یہاں تک کہ کروہ خاموش ہو گئے... اوران سب کے رنگ اڑ
گئے۔

☆☆☆☆☆

جال

"آپ دیکھ رہے ہیں کامرانی صاحب! اور شیخ صاحب... ان کے
رنگ میری بات سن کر کس طرح اڑ گئے ہیں... اگر یہ ان کا ٹھکانا نہیں اور یہ میرا
ٹھکانا ہے تو یہاں ان کی انگلیوں کے نشانات کا کیا کام... اب یہ فیصلہ کرنا خود
آپ کا کام ہے... میں بس اتنا کروں گا کہ اگر یہ انکار کریں گے تو انگلیوں کے
نشانات دکھا دوں گا... بلکہ اور بھی بہت کچھ دکھا دوں گا۔" انہوں نے جلدی
جلدی کہا۔

"بات معقول ہے... کیوں سر۔" آئی جی صاحب نے موقعے کو
بھانپتے ہوئے وزیراعلیٰ کے منہ سے کہلوانے کی کوشش کی۔

"ہاں... آ۔" ان کے منہ سے مشکل سے نکلا۔

"پہلے ان سے پوچھ لیتے ہیں... ہاں... کیا کہتے ہیں، آپ
لوگ۔"

"ہمارا اس ٹھکانے سے کوئی تعلق نہیں..." شادو بڑا سا منہ بنا کر
بولا۔

"خوب! سر... اب آپ اپنے عملے کو ہدایات دیں... یہ میرے

ساتھ گھوم پھر کر انگلیوں کے نشانات اٹھائیں۔’’

‘‘یہ نشانات تو اسی وقت کے ہیں... آخر ہم یہاں کافی دیر سے آئے ہوئے ہیں۔’’

‘‘جونہی تم لوگ یہاں آئے... میں نے تم لوگوں پر قابو پا لیا تھا... یہاں باقاعدہ فائرنگ ہوئی تھی... ان حالات میں اس ٹھکانے پر جو برتن موجود ہیں۔ان پر تم لوگوں کی انگلیوں کے نشانات کیسے ہو سکتے ہیں... اور اگر تم کہو... نہیں جناب... ہو سکتے ہیں... تب میں کہوں گا کہ جناب! جن برتنوں پر تم لوگوں کی انگلیوں کے نشانات ہیں... وہ آج کے استعمال کردہ نہیں ہیں۔ کئی دن پہلے ان میں کھایا پیا گیا تھا... کیونکہ پیندوں میں بچی ہوئی چیزیں سڑ چکی ہیں یا خشک ہو چکی ہیں... ان برتنوں پر آپ لوگوں کی انگلیوں کے نشانات کا کیا کام اور اگر یہ ٹھکانا ہمارا ہے تو پھر ہماری انگلیوں کے نشانات ہونے چاہییں... اس صورت میں آپ کو کیا فکر ہے... سر! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔’’ انسپکٹر جمشید نے پھر آئی جی صاحب کی طرف دیکھا۔

‘‘بالکل ٹھیک... ان دلائل کا انکار کون کر سکتا ہے... یہ تو دو اور دو چار والی بات ہے۔’’ آئی جی فوراً بولے۔

‘‘آپ بھی رائے ظاہر فرمائیے۔’’

‘‘میں سمجھ نہیں سکا... یہ سب چکر کیا ہے... میرا خیال ہے... آپ نے میرے... میرا مطلب ہے... باٹلی والا، شادو اور اس کے ساتھیوں کے خلاف کوئی سازش کی ہے۔’’

‘‘چلیے یہ بھی پھر بتا دیں کہ کیا سازش کی ہے میں نے ان کے خلاف اور کیوں کی ہے۔’’ انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

وزیراعلیٰ نے پریشان ہو کر باٹلی والا کی طرف دیکھا اور بولے:

‘‘آپ اس سلسلے میں کچھ کہنا پسند کریں گے۔’’

‘‘جی ہاں ضرور... آپ کا خیال بالکل درست ہے... یہ ہم لوگوں کے خلاف کوئی سازش ہے۔’’

‘‘اس کا مطلب یہ ٹھکانا میرا ہے۔’’ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

‘‘ہاں بالکل... آپ ہمیں یہاں گھیر گھار کر لائے تھے... پھر ہمیں بے ہوش کیا اور ہماری انگلیوں کے نشانات یہاں کی چیزوں پر لے لیے... تاکہ ہمیں پھنسوا دیں۔’’

‘‘لیکن مقصد کیا ہے میرا اس سارے کام سے... سوال تو یہ ہے۔’’

‘‘مقصد میں بتا دیتا ہوں...’’ اب باٹلی والا بولا۔

‘‘ضرور... کیوں نہیں۔’’ وزیراعلیٰ نے فوراً کہا۔

‘‘سنیے... یہ آپ کی مخالف سیاسی جماعت کے آدمی ہیں... اس طرح آپ کا سارا سیاسی کردار ختم کر دینا چاہتے ہیں۔’’

‘‘بہت خوب! آپ نے سنا شیخ صاحب... میاں باٹلی والا کی باتوں میں کس قدر وزن ہے۔’’

‘‘جی ہاں! اب انہوں نے واقعی مضبوط بات کی ہے۔’’ آئی جی بولے۔

‘‘تب پھر... اب انسپکٹر جمشید کیا کہتے ہیں۔’’

‘‘میری موجودگی... تھوڑی دیر کے لیے ایک دن پہلے یہاں ثابت کی جا سکتی ہے اور یا پھر آج ثابت کی جا سکتی ہے... جب کہ یہاں کے ہوٹل الماس کے رجسٹر اس بات کی گواہی دیں گے یہ لوگ... یعنی شادو اور اس کے

ماتحت یہاں کتنی مدت سے آ جا رہے ہیں... آ کر یہاں کئی کئی دن ٹھہرتے ہیں... لہٰذا اس ٹھکانے میں اگر ان کی انگلیوں کے نشانات وہ بھی پرانی چیزوں پر مل جاتے ہیں تو یہ بات ثابت ہوگی کہ یہ ٹھکانا ان کا ہے... نہ کہ اس کا جو یہاں ایک دو دن سے زیادہ نہیں ٹھہرا۔"

"یہ کوئی مضبوط ثبوت نہیں۔" باٹلی والا نے منہ بنایا۔

"یہ دیکھنا عدالت کا کام ہے... کہ یہ ثبوت کس پائے کا ہے... آپ کا نہیں... جب میں عدالت میں آپ لوگوں کے خلاف ثبوت پیش کروں گا تو وہاں اپنے وکیل سے کہہ دیجیے گا کہ ہمارے پیش کردہ ثبوت کو کمزور ثابت کر دے۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اوہو جمشید... سوال تو یہ ہے کہ اگر یہ ٹھکانا ان کا ہے تو یہاں کیا کرتے ہیں۔" آئی جی صاحب نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا... حالانکہ ان کی یہ جھلاہٹ بالکل مصنوعی تھی... وہ تو وزیر اعلیٰ کو اس پہلو کی طرف لانا چاہتے تھے۔

"ہوں ٹھیک ہے... سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کیا کرتے رہے ہیں۔"

"اس کا بہترین اور آسان حل یہ ہے کہ اس جگہ کی تلاشی لے لی جائے۔"

"ٹھیک ہے... بالکل ٹھیک۔" باٹلی والا نے فوراً کہا۔

"دیکھ لیا شیخ صاحب... اگر یہاں کوئی ایسی ویسی چیز ہوتی تو باٹلی والا کیوں تلاشی کی بات پر اطمینان ظاہر کرتے۔" وزیر اعلیٰ ان کی طرف مڑے۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے سر... لیکن جب تک تلاشی نہ لی جائے... کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"آپ اپنے ماتحتوں کو حکم دیں... وہ یہاں کی تلاشی لیں۔" وہ بولے۔

آئی جی صاحب نے اپنے ماتحتوں کو ہدایات دیں، ایسے میں انسپکٹر جمشید بول اٹھے:

"بھئی ذرا اچھی طرح تلاشی لینا۔"

"آپ چپ رہیں... اس وقت آپ انہیں حکم نہیں دے سکتے... آپ ملازمت میں نہیں ہیں۔" وزیر اعلیٰ بولے۔

"اوہ سوری! یہ تو میں بھول ہی گیا... اچھا بھئی... اچھی طرح تلاشی نہ لینا۔" وہ جلدی سے بولے۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" وزیر اعلیٰ کا منہ بن گیا۔

"آپ کی ہدایت کے مطابق ان سے کہا ہے۔"

"اچھی طرح تلاشی لینا... انسپکٹر جمشید یہ نہ کہیں... تلاشی درست طریقے سے نہیں لی گئی۔" وزیر اعلیٰ بولے۔

"آپ فکر نہ کریں سر۔"

اور پھر پوری عمارت کی تلاشی لی گئی... وہ پرانے زمانے کی حویلی نما عمارت تھی۔ اس میں بہت سے کمرے تھے... ہر کمرے میں آتش دان تھا۔ آتش دان پر کوئی نہ کوئی کھلونا نما چیز ضرور رکھی تھی۔ کسی پر بڑا سا ہاتھی تھا تو کسی پر بھالو... کسی پر ریل کا انجن تو کسی پر ہیلی کاپٹر... آدھ گھنٹے بعد آئی جی صاحب کے ماتحت واپس آ گئے۔

"کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملی سر۔"

"خوب! انسپکٹر جمشید ناکام ہو گئے... باٹلی والا بے گناہ ثابت ہو

گئے... شیخ صاحب... انسپکٹر جمشید کو ہمیشہ کے لیے فارغ کر دیں... ان کی وجہ سے ملک میں ہمیشہ الجھن پیش آتی رہتی ہے۔"

"یہ تو خیر نہیں کہا جا سکتا سر... انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کی خدمات سے اس ملک کے سرکاری ریکارڈ بھرے پڑے ہیں سر۔"

"اچھا اچھا... ہوگا... یہ سب ماضی کی باتیں ہیں... اور ہمیں غرض ہے، حال سے... آپ حال کی بات کریں... اس وقت ان کا کیا کردار ہے... یہ جو اتنا لمبا چوڑا چکر انہوں نے چلایا ہے... ثابت کیا ہوا... کچھ بھی نہیں... ڈھاک کے وہی تین پات۔"

"میرا خیال ہے سر۔" انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"اب پھر ان کا خیال سنیے... نہ جانے اب یہ کون سی کوڑی لائے ہیں... ہاں جناب... فرمایئے... اپنا خیال۔"

"چند منٹ مجھے بھی دیے جائیں۔"

"چند منٹ... کس سلسلے میں دیے جائیں آپ کو چند منٹ بھلا؟"

"ایک چھوٹی سی کوشش ہم بھی کر لیں ذرا... یعنی تلاشی لینے کی۔"

"آدھ گھنٹے تک ان سب لوگوں نے بھرپور انداز میں تلاشی لی اور یہ کچھ حاصل نہ کر سکے... آپ چند منٹ میں کیا کریں گے۔"

"لیکن جناب! اس میں حرج بھی کیا ہے۔" وہ بولے۔

"نہیں نہیں... اب بس بہت ہو چکی... ہمارے پاس وقت نہیں..."

"آپ شاید اس لیے مجھے وقت نہیں دے رہے کہ کہیں میں ان کے خلاف کچھ ثابت نہ کر دوں۔"

"اوہو... اچھا! یہ بات ہے... خیر... آپ کو پانچ منٹ دیے

جاتے ہیں۔"

"بلا وجہ وقت ضائع ہو گا سر۔" باٹلی والا نے منہ بنایا۔

"چلیے کوئی بات نہیں... پانچ منٹ اور سہی۔" وزیر اعلیٰ بولے۔

"نہیں سر... اب کوئی گنجائش نہیں... ہم ان کے ملازم نہیں ہیں۔" باٹلی والا نے جھلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے... نہیں دیے جاتے پانچ منٹ..."

"نہیں جناب... اب یہ نہیں ہو گا... آپ پانچ منٹ دے چکے ہیں۔" انسپکٹر جمشید تیز لہجے میں بولے۔

"تو کیا ہوا... میں واپس لے رہا ہوں۔"

"تب پھر سن لیں... اس عمارت میں خوفناک حد تک تخریب کاری کا سامان موجود ہے... پورے ملک میں جگہ جگہ ہولناک تباہی مچائی جا سکتی ہے اس سامان سے۔"

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلائے... انسپکٹر جمشید کی نظریں صرف باٹلی والا کی طرف تھیں۔ انہوں نے اس کے چہرے کا رنگ اڑتا دیکھا... ساتھ ہی وہ چیخا۔

"یہ جھوٹ ہے..."

"اور تخریب کاری کا یہ سارا سامان باٹلی والا کو انشارجہ کے اسلحہ ڈیلروں نے دیا ہے۔"

"بکواس... فضول۔" وہ دھاڑا۔

"اور یہ قصبہ شمالی مغربی سرحد کے بالکل ساتھ لگتا ہے... سرحد میں کوئی ایسی جگہ بنائی گئی ہے... جہاں سے اسلحہ اور مواد اس طرف لایا گیا ہے

...ہوسکتا ہے... ایسا کسی سرنگ کے ذریعے کیا گیا ہو، یہاں سرحد پر اس جگہ ملک دشمن لوگوں کو ڈیوٹیاں سونپی گئی ہوں... تب تو اسلحہ اور زیادہ آسانی سے ادھر آسکتا ہے۔"

"لگتا ہے، انسپکٹر جمشید... آپ جاگتے میں خواب دیکھنے کے عادی ہیں۔"

"مجھے ایک گمنام فون موصول ہوا تھا... مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ میں کم از کم اس ماہ کی بیس تاریخ کے چند گھنٹے یہاں ضرور گزار لوں... لیکن دارالحکومت میں حالات فوری طور پر ایسے بنا دیے گئے کہ مجھے واپس جانا پڑا... لیکن اس وقت میں نے گمنام فون کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی... بعد میں جب غور کیا تو میں پھر یہاں آنے پر مجبور ہو گیا... اور شادے اور اس کے ساتھیوں کو یہاں دیکھ کر تو گویا میرے کان کھڑے ہو گئے... پھر یہ خود ہی مجھے یہاں لے آئے... یہاں کا جائزہ لینے پر میں نے محسوس کیا کہ عمارت پراسرار ہے... یہاں ضرور کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے... قصبہ سرحدی ہے... لہٰذا گمنام فون بلاوجہ نہیں تھا... سرحد پر کوئی محب وطن بھی موجود ہے یا اتفاق سے کسی نے کچھ دیکھ لیا... اور اس نے مجھے فون کر دیا... ان تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں... اس عمارت میں تخریب کاری کا اتنا سامان موجود ہے کہ وزیر اعلیٰ صاحب بھی دھک سے رہ جائیں گے۔"

"نہیں نہیں... باٹلی والا ایسے آدمی نہیں ہیں... یہ تو بہت شریف سیاست دان ہیں۔"

"شریف سیاست دانوں کو ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی..."

"لیکن یہ صرف آپ کا خیال ہے۔"

"اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں... آپ مجھے پانچ منٹ کی جو مہلت

دے چکے ہیں... وہ واپس نہ لیں..."

"سوری! انہیں مہلت نہیں دی جاسکتی۔" وزیر اعلیٰ کی بجائے باٹلی والا بول اٹھا۔

"لیکن کیوں؟" آئی جی صاحب کے لہجے میں تیزی آگئی۔

"کیا مطلب... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"پانچ منٹ آخر کیوں نہیں دیے جاسکتے... آپ کو زیادہ جلدی ہے تو آپ جاسکتے ہیں... ہم تو انسپکٹر جمشید کو یہ موقع دیں گے۔"

"آپ نے سنا کامرانی صاحب۔" باٹلی والا نے آنکھیں نکالیں۔

"میرا خیال ہے شیخ صاحب... اس کی ضرورت نہیں... یہ صرف انسپکٹر جمشید کا خیال ہے۔"

"جی نہیں... اس کی ضرورت ہے... تلاشی لی جائے گی..." آئی جی بولے۔

"آپ... آپ یہ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔" وزیر اعلیٰ غرائے۔

"ہاں! سر... مجبوری ہے... اب بات ایسے موڑ پر آگئی ہے کہ یہاں کی تلاشی انسپکٹر جمشید کی مرضی کے مطابق ہوگی۔"

"اچھی بات ہے... انسپکٹر جمشید... آپ کو پانچ منٹ دیے جاتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" باٹلی والا اچھل کر کھڑا ہو گیا...

ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا... اس نے پستول کی نال یک دم وزیر اعلیٰ کی کن پٹی پر رکھ دی:

"سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دیں... ورنہ وزیر اعلیٰ تو گئے کام سے۔"

انہوں نے فوراً ہاتھ اوپر اٹھا دیے... اس وقت انسپکٹر جمشید

کے چہرے پر ایک بہت ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی... اس مسکراہٹ کو صرف ان کے ساتھی دیکھ سکے۔

"یہ... یہ کیا کر رہے ہیں باٹلی والا..." وزیراعلیٰ سکتے کی حالت میں تھے۔

"آپ بھی ہاتھ اوپر اٹھادیں۔

"تت... تو انسپکٹر جمشید کا خیال درست ہے... اس عمارت میں ملک میں توڑ پھوڑ مچانے کا سامان موجود ہے۔"

"سامان نہیں... بہ- بڑا ذخیرہ... اتنا بڑا ذخیرہ کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے... بس یوں سمجھ لیں... پورے ملک میں دھماکے کیے جاسکتے ہیں۔"

"نن نہیں... باٹلی والا... یہ آپ کیا کہ رہے ہیں... آخر کیوں آپ ایسا کریں گے... آپ تو بہت کامیاب سیاست دان ہیں... آپ کی کامیابی کے امکانات تو یوں بھی روشن ہیں... پھر بھلا آپ ایسے ہتھکنڈے کیوں اختیار کرنے لگے... نہیں نہیں... شاید ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں... میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔"

"بات دراصل یہ ہے سر... یہ شخص اسلحے کی بین الاقوامی تجارت کی مافیا کا ایجنٹ ہے... اب اگر یہ برسر اقتدار آجاتا ہے... ملک کا وزیراعظم بن جاتا ہے... تو گویا پورا ملک جنگ پسندوں کی جھولی میں جا گرے گا... تو اصل پلاننگ یہ تھی... اور میں نے اتنا موقع باٹلی والا کو اس لیے دیا کہ یہ خود کھل کر آپ کے سامنے آجائیں... کسی ثبوت کی ضرورت نہ رہے... ورنہ اس بے چارے کا پستول میں کب کا خالی کر کے واپس اس کی جیب میں رکھ چکا ہوں..."

"کیا... ارے واہ۔" وزیراعلیٰ اچھل پڑے۔

"غلط... جھوٹ۔" باٹلی والا غرایا اور اس نے ٹریگر دبا دیا... پھر دباتا ہی چلا گیا... لیکن پستول سے کوئی گولی نہ چلی... ساتھ ہی آئی جی صاحب کے ماتحتوں نے اسے جکڑ لیا۔

"اُف مالک!... یہ... یہ سب کیا ہے... انسپکٹر جمشید... میں آپ کو کیا کچھ کہتا رہا... اور باٹلی والا کیا ہے... کیا کرنا چاہتا تھا... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا... ویسے کیا آپ دھماکا خیز مواد کا ذخیرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔"

"نہیں سر... ابھی تک میں نے سارا کام اندازے کی بنیاد پر کیا ہے... لیکن اگر میرے اندازے غلط ہوتے تو باٹلی والا کیوں گھبراتا، یہ تو فوراً کہتا ... لے لیں تلاشی... اب آئیے... میں آپ کو اس عمارت کے نیچے تہ خانے دکھاتا ہوں... ان تہ خانوں میں آپ وہ کچھ دیکھیں گے کہ خدا کی پناہ!"

اور پھر انسپکٹر جمشید کے تمام اندازے سو فیصد درست ثابت ہو گئے۔ وہ سب خوف زدہ آنکھوں سے اس ذخیرے کو دیکھ رہے تھے... یوں لگتا تھا جیسے اب کبھی ان کی آنکھوں سے خوف دور نہیں ہو سکے گا۔

--------☆☆ختم شد☆☆----------

D-83 سائٹ۔ کراچی